www.urducouncil.nic.in

جولائی 2022 ، قیمت :- ₹10

ماهنامه

# بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

# بچوں کے قلمکاروں کے لیے سوالنامہ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں بچوں کے قلمکاروں سے انٹرویوز کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کو قلمکاروں اور کتابوں کے بارے میں معلومات کے ساتھ ساتھ اپنا مستقبل اور کریئر بہتر بنانے کے لیے نئی روشنی اور نئی راہ بھی مل سکے۔
یہ ادارے کی طرف سے تیار کردہ سوالات ہیں، ان کے جوابات ادب اطفال سے جڑا ہوا کوئی بھی قلمکار دے سکتا ہے۔

1 بچپن کی کون سی باتیں/شوخیاں/شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟
2 بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنفین کون تھے اور اب کون ہیں؟
3 بچپن میں کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟
4 بچپن میں بچوں کے کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟
5 بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟
6 زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنفین کی کتابیں بچوں کے لیے رہنما ثابت ہوسکتی ہیں؟
7 مستقبل اور اپنے کریئر کو سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا؟

---

8 اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟
9 آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟
10 آپ کی پہلی تخلیق، کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟
11 آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟
12 کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟
13 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟
14 ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقے میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟
15 کیا آپ اب بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتے ہیں؟
16 انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسالے بچوں کے لیے مفید ثابت ہوسکتے ہیں؟
17 کیا اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا شائع ہونے والا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟
18 بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہو رہے ہیں، ان کے مواد اور زبان و بیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
19 معاصر ادب اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
20 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟
21 بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز اور مشورے!
22 ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟
23 بچوں کے لیے آپ کا کوئی پیغام!

* جوابات کے ساتھ پاسپورٹ سائز تصویر اپنی کتابوں کا عکس ضرور ارسال کریں۔

# بچوں کی دنیا

جلد: 10 شمارہ: 07 جولائی 2022

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

مدیر منتظم: شاہنواز محمد خرم

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارتِ تعلیم۔محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون: 49539000

شعبہ ادارت: 49539009-11

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ /100 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی - 110066

فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد - 500002

فون: 040-24415194

## اس شمارے میں

| | | |
|---|---|---|
| اداریہ | مدیر | 04 |
| ڈاک خانہ | قارئین | 05 |
| **مضامین** | | |
| کولمبس کی کھوج | سید شمیم احمد مدنی | 06 |
| برکت اللہ بھوپالی | انور ادیب | 09 |
| ڈیجیٹل دوستی | وسیم سعید | 11 |
| **انٹرویو** | | |
| بچوں کے لیے عام فہم کتابیں ان کے .... | ذکیہ مشہدی | 14 |
| **نظمیں** | | |
| ابو میاں ہمارے | کوثر صدیقی | 19 |
| پیچھے پہاڑوں کے | عطاء الرحمن طارق | 19 |
| فوزان | ارمغان ساحل سہسرامی | 20 |
| سنسار کل | فیض رتلامی | 21 |
| راستہ بھول گئی ہے | ضیاء الرحمن جعفری | 22 |
| مولا کرم کر | تبسم سحر | 23 |
| جناب گرگٹ | فہیم احمد | 24 |
| پیڑ پودے | علیزے نجف | 25 |
| **کہانیاں** | | |
| بندر ہوا تڑی پار | قمر جمالی | 26 |
| مینا کا پیغام | سلیم خان | 32 |
| دوستی | پرویز احمد یعقوبی | 35 |
| مہا کنجوس | افتخار انیس حمیدی | 39 |
| ہار کے بعد جیت | زیب النسا | 42 |
| عقلمند کسان | سعدیہ پروین | 45 |
| **بچوں کا کتب خانہ** | | |
| بچوں کے 100 اسٹیج ڈرامے | اسلم جمشید پوری | 48 |
| **سائنس نامہ** | | |
| سمندری مچھلیاں | محمد شمس الحق | 50 |
| **صحت اطفال** | | |
| فاسٹ فوڈ (Fast Food) | جاوید احمد سعید کامٹوی | 52 |
| **زبان شناسی** | | |
| حرف، معنی اور مفہوم | خان صاحب مولوی سید احمد دہلوی | 56 |
| **کہکشاں** | | |
| چمن چمن کے پھول | | 58 |
| **ننھے فنکار** | | |
| پینٹنگ | | 59 |
| **خبرنامہ** | | |
| تقریب تقسیم انعامات | | 61 |

پیارے بچو! رشتے انسان کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں، اس کا تعلق احساس سے ہوتا ہے۔ احساس کے ختم ہوتے ہی رشتے بھی ختم ہوجاتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ اپنے احساس کو زندہ رکھا جائے تاکہ ہم رشتوں کی قدر اور اس کی اہمیت سے واقف ہوسکیں۔ رشتے سے ہماری زندگی بارونق ہوتی ہے۔ رشتے خدا کی بڑی نعمت ہیں مگر آج کے مادّی دور اور مصروفیت

بھری زندگی میں رشتے کی قدر کم ہوگئی ہے۔ آج کل موبائل، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ وغیرہ پر زیادہ وقت صرف ہوتا ہے جس کی وجہ سے لوگ اپنے رشتے داروں سے دور ہوگئے ہیں۔ پہلے زمانے میں دادا دادی، امی ابو، بھائی بہن، پھوپھا پھوپھی، نانا نانی، خالہ خالو وغیرہ کی بچے نہ صرف عزت کرتے تھے بلکہ ان کا خیال رکھتے تھے، حتیٰ کہ گاؤں میں بھی زیادہ تر بڑے بزرگ چاہے کسی مذہب سے ان کا تعلق ہو، چچا کہلاتے تھے، بچے ان کا احترام کرتے تھے اور وہ بھی بچوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ غلط باتوں پر ٹوکتے تھے، تنبیہ کرتے تھے، ان کی باتوں کا کوئی بھی برا نہیں مانتا تھا بلکہ ایک طرح کی خوشی محسوس کرتے تھے، مگر اب اپنے رشتے دار بھی کسی غلط بات پر ٹوکتے ہیں تو نہ صرف بچے بلکہ والدین بھی ناراض ہوجاتے ہیں۔ رشتوں کی اس بے قدری کا ہمارے معاشرے پر بہت ہی منفی اثر پڑا ہے اور اس کی وجہ سے سارے رشتے ٹوٹ سے گئے ہیں۔

پیارے بچو! دادا دادی، نانا نانی یہ لوگ ہماری تربیت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، پیاری پیاری باتیں سکھاتے ہیں، ہماری غلطیوں پر پیار سے ہمیں سمجھاتے ہیں، اچھے برے کی تمیز سکھاتے ہیں، رشتوں کی پہچان اور ان کی اہمیت سے واقف کراتے ہیں، اس لیے ان رشتوں کی قدر کیجیے کیونکہ اگر یہ چہرے نظر سے اوجھل ہوگئے تو پھر آپ کو ہر طرف ویرانی کا احساس ہوگا۔ آپ انھیں تلاش کریں گے مگر یہ کہیں بھی نظر نہیں آئیں گے۔ اس لیے رشتوں کی قدر کرنا سیکھیے، کیونکہ رشتوں سے ہمارے ذہن پر بہت ہی اچھا اثر مرتب ہوتا ہے۔ اس لیے جب بھی آپ کو وقت ملے تو اپنے رشتے داروں سے ضرور ملیں، اگر آپ کے دادا دادی اور دوسرے رشتے دار گاؤں میں رہتے ہیں، تو کوشش کریں کہ سال میں ایک بار گاؤں ضرور جائیں، ان سے مل کر یقیناً آپ کو خوشی ہوگی اور وہ لوگ بھی آپ سے مل کر خوش ہوں گے، گاؤں کی کھلی فضا میں کھیلنے، کودنے، دوڑنے، بھاگنے کا آپ کو موقع ملے گا، گاؤں کا ماحول شہر سے بالکل مختلف ہوتا ہے، وہاں کی آب و ہوا صاف ستھری ہوتی ہے، باغات، نہریں اور دوسری جگہوں پر جب آپ اپنے رشتے داروں کے ساتھ جائیں گے تو آپ کا ذہن تروتازہ ہوگا اور آپ کو بہت مزہ آئے گا۔

پیارے بچو! آپ بڑوں کی عزت کریں، ان سے پیار محبت اور نرمی سے بات کریں، ان سے کبھی بھی بدکلامی نہ کریں کیونکہ ہمارے رشتے دار اور بزرگ ہماری زندگی کو سنوارنے اور نکھارنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کی باتیں اور مشورے بچوں کے لیے مشعل راہ ہیں!

آپ کا

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

# ڈاک خانہ

آج کے ماحول میں جو جس قدر حساس ہے اسی قدر پریشان ہے۔ پریشانیوں سے نجات کا واحد ذریعہ ہے کہ اپنے اندر کے بچے کو بڑا نہ ہونے دیا جائے۔ اسے، بچہ ہی رہنے دیا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً اپنے بچپن کو یاد کرلیا جائے۔ اس مصروف زندگی میں ماضی کی طرف لوٹنا کیسے ممکن ہے۔ اس کا انتظام قومی اردو کونسل نے ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کی صورت میں کیا ہے، جو کچھ وقت نکال لیتا ہے اور ہم تھوڑی دیر کے لیے الجھنوں، پریشانیوں سے نکل کر آزاد فضا میں سانس لیتے ہیں جس سے ہمیں مزید قوت مل جاتی ہے۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' جون کا شمارہ میرے ہاتھ میں ہے، جس کے تمام ہی کالم اپنے قاری کو کچھ نہ کچھ دے جاتے ہیں۔ اس گرانی عہد میں ایک جگہ سے دوسری جگہ قریب کا سفر کیسے ہو۔ اس کا سب سے آسان حل سائیکل ہے جو ماضی قریب میں گھر گھر کی سواری تھی۔ اس سے مسافت کے ساتھ صحت بھی محفوظ ہے۔ سائیکل کے موضوع سے جون کے شمارے میں مضمون کم خرچ بالانشیں کی مصداق ہے۔

ہمارے اردگرد ایک ایسا سماج بھی ملتا ہے جہاں ماں باپ کی عزت وتکریم کے بجائے انھیں ستایا جاتا ہے، نکمی وناخلف اولاد ان پر ظلم کرتی ہے۔ 'بچوں کی دنیا' میں باپ کی قربانی اور محبت پر مضمون اچھا ہے۔ تفریحی مضامین جیسے ڈاب ڈبولی، بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا، چلر پارٹی وغیرہ کے علاوہ معلوماتی مضامین بھی ملتے ہیں جن سے سماجی سطح پر معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ جینے کا سلیقہ آتا ہے جیسے بجلی: ایک کمال، ایک حقیقت، فاسٹ فوڈ مضامین ایسے ہیں جن سے صحت زندگی اور اصول کے بارے میں آگاہی ہوتی ہے۔

رانیہ خان، ایم 109، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی

مئی 2022 کا شمارہ موصول ہوا۔ میگزین میں شامل تخلیقات معیاری اور عمدہ ہیں۔ چند ماہ قبل میرے استاد جاوید رانا نے اس خوبصورت اور معیاری رسالے کا تعارف کروایا تھا، تب سے اسکول کی میری ہم جماعت سہیلیاں اور دیگر طالبات پابندی سے اس کا مطالعہ کرتی ہیں۔ ہم سبھوں کو اس رسالے کا بے صبری سے انتظار رہتا ہے۔

مئی کے شمارے میں عبدالرحیم نشتر، ہنر رسولپوری، رخشاں ہاشمی وغیرہ سبھی کی نظمیں اچھی لگیں۔ یکبابی ڈرامہ، باتیں زید میاں کی، چڑیا اور ہاتھی کی کشتی، پیٹ کی آگ، حسد کا انجام غرض کہ سبھی کہانیاں اور مضامین عمدہ اور دلچسپ ہیں۔ میں توانائی کا خزانہ توانیہ ہوں مضمون عمدہ ہے، سبھی قلم کاروں کو مبارکباد۔

مدیحہ کوثر حکیم اللہ، درجہ یازدہم، گورنمنٹ اردو گرلز ہائر سیکنڈری اسکول، حریرپورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' مجھے اس قدر پسند ہے کہ جی چاہتا ہے ایک ہی نشست میں میگزین ختم ہوجائے۔ رسالے کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ بچوں کا رسالہ ہوتے ہوئے بھی بڑوں کے ذوق کی تسکین کرتا ہے، جیسے بچپن کے واقعات یاد دلاتا ہے۔

میں تمام قلمکاروں کو دل سے مبارکباد دیتا ہوں۔ شاندار شمارہ شائع کرنے کے لیے آپ بھی مبارکباد کے مستحق ہیں۔

بشن چودھری، منڈی گوبند گڑھ، پنجاب

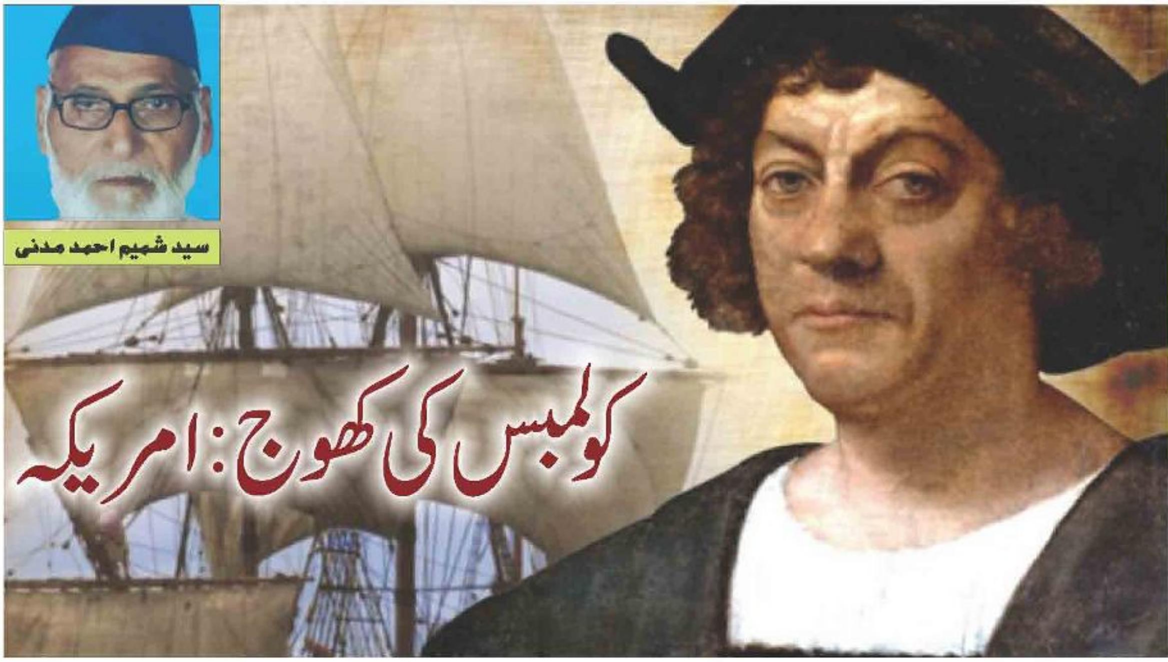

# کولمبس کی کھوج: امریکہ

سید شمیم احمد مدنی

**بچو!** امریکہ کا نام تو تم روز ہی کسی نہ کسی طرح سنتے ہی رہتے ہوگے، مگر شاید تم صرف ریاستہائے متحدہ امریکہ (USA) کو ہی امریکہ سمجھتے ہو گے جو آج دنیا میں سارے ملکوں کے مقابلے سیاسی، مالی اور فوجی اعتبار سے سبھوں سے زیادہ طاقتور ملک سمجھا جاتا ہے۔ اگر ذرا تفصیل میں جائیں تو امریکہ کے بارے میں درج ذیل باتیں سامنے آئیں گی۔

امریکہ در اصل 13 ملکوں پر مشتمل ایک بر اعظم (Continent) ہے، جس کا رقبہ 2 کروڑ 47 لاکھ 9 ہزار مربع کیلومیٹر اور آبادی 2016 کی مردم شماری کے مطابق 67 کروڑ 90 لاکھ بتائی جاتی ہے۔ مشرق میں بحر اوقیانوس (Atlantic Ocean)، مغرب میں بحر الکاہل (Pacific Ocean) اور شمال میں بحر منجمد شمالی تین بڑے سمندر ہیں۔ جنوب مشرق کی جانب خلیج میکسکو اور پھر اس سے متصل بر اعظم جنوبی امریکہ واقع ہے۔ تیرہ ممالک میں سب سے بڑا ملک کناڈا (شمال) ہے۔ ان دونوں بڑے ممالک کے درمیان پانچ بڑی جھیلیں ہیں جن میں دنیا کا سب سے مشہور آبشار نیاگرا (Niagra Fall) واقع ہے۔

یہ ہے بر اعظم امریکہ، لیکن اس کے بارے میں سنہ 1492 عیسوی سے پہلے کسی کو کچھ نہیں معلوم تھا۔

یورپ کے ایک ملک اسپین میں 1451 میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام کرسٹوفر کولمبس رکھا گیا۔ بڑا ہونے پر پانی یعنی سمندری سفر کا اس کو شوق ہوا۔ اس کو یہ جاننے کی خواہش ہوئی کہ موجیں مارتے ہوئے سمندر بحر اوقیانوس کا کوئی کنارہ بھی ہے یا نہیں۔ اور اگر کنارہ ہے تو اس طرف خشکی کا ہونا لازمی ہے۔ اس کو پار کیا جائے اور دیکھا جائے کہ حقیقت کیا ہے۔ اس نے اپنے ملک کے بادشاہ فردیناند اور ملکہ ایزابیلا کو خزانوں کا لالچ دے کر آمادہ کر لیا کہ وہ اس کی مالی مدد کریں تا کہ وہ اس مہم پر روانہ ہو سکے۔ چنانچہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ 3 اگست 1492 کو وہ سفر پر روانہ ہوا۔ اس نے اپنی ڈائری میں اس سفر کی جو روداد لکھی ہے اس سے آپ بھی لطف اٹھائیں۔

3 اگست 1492، بروز جمعہ۔

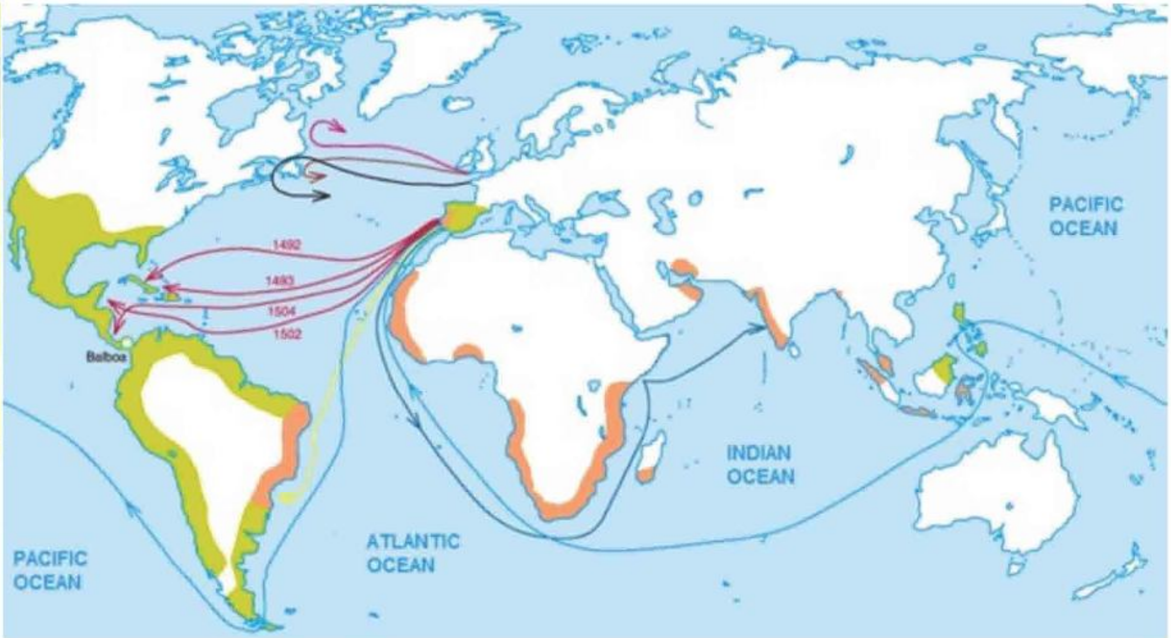


ہم سب صبح آٹھ بجے اپنی کشتیاں لے کر روانہ ہوگئے۔

**9 ستمبر1492:** آج ہماری آنکھوں سے زمین اوجھل ہو گئی۔ ساتھیوں میں گھبراہٹ پیدا ہوگئی۔ ان میں سے کچھ رونے لگے۔ میں نے ان کو تسلی دی کہ ہم گھر سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ نئی زمین میں بڑی دولت اور خزانہ ہے۔ ڈرو نہیں۔ میں نے جان بوجھ کر فاصلہ کم کر کے بتایا۔ تا کہ ان کو تسلی ہو۔

**23 ستمبر1492:** ہوا تیز چل رہی ہے۔ ساتھی الجھ رہے ہیں۔ بڑبڑا رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں وہ اب کبھی گھر کا منہ نہیں دیکھ سکیں گے۔

**25 ستمبر1492:** آج غروبِ آفتاب کے وقت ہم کو زمین دکھائی دی۔ سب خوش ہو گئے، لیکن جب صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ نظروں کا دھوکہ تھا۔ دراصل وہ بادلوں کا ایک غبار تھا جس سے خشکی کا دھوکہ ہوا۔

**6 اکتوبر1492:** ساتھیوں کی بڑبڑاہٹ کی پروا کیے بغیر میں نے جنوب مغرب کی جانب سفر جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ میں دراصل جاپان پہنچنا چاہتا تھا۔ لیکن ساتھیوں کو میرا فیصلہ ناپسند تھا۔ مگر میں ان کی پروا کیے بغیر آگے بڑھتا رہا۔

**11 اکتوبر1492:** اس دن ہم نے سمندر میں جھاڑیوں کا انبار دیکھا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ مغرب کی جانب زمین ہم سے کچھ فاصلے پر ضرور موجود ہے۔

**12 اکتوبر1492:** صبح کے وقت زمین نظر آ گئی۔ لوگ بھی نظر آئے۔ ہمیں دیکھ کر متعجب ہوئے اور خوش بھی۔ ان کے ہاتھوں میں معمولی ہتھیار یعنی چھوٹے نیزے تھے۔ میں نے بھی ان کو اپنی تلوار دکھائی۔ ان میں سے ایک نے جوش میں آ کر اس کو پکڑ لیا اور اپنا ہاتھ زخمی کر لیا۔

**13 اکتوبر1492:** جزیرہ بڑا ہی سرسبز و شاداب تھا۔ چہار جانب ہریالی تھی۔ بڑا ہی خوش نما منظر تھا۔ مگر مجھے جلدی تھی۔ میں زیادہ دیر ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ مجھے جاپان پہنچنے کی فکر تھی۔

**4 اکتوبر1492:** پھر ہم سب وہاں سے روانہ ہو گئے۔ آس پاس متعدد جزیرے تھے۔ ہم یہ نہیں طے کر پا رہے تھے کہ کس

جزیرے پر اتریں اور کس پر نہیں۔

**17 اکتوبر 1492:** وہاں کے سبھی لوگ ایک جیسے تھے۔ مچھلیاں بھی عجیب تھیں۔ بہت چمکدار۔ ڈیل مچھلی بھی دیکھنے کو ملی۔

**28 اکتوبر 1492:** صبح کے وقت ہم جزیرہ کیوبا (Cuba) کے ساحل پر اترے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ دراصل ہند کے لوگ کیوبا ہی کو جاپان کہتے ہیں۔ یہ علاقہ بڑا ہی خوبصورت ہے۔ میں نے کبھی اتنی دل موہ لینے والی زمین نہیں دیکھی۔

**16 جنوری 1493:** علی الصبح ہماری واپسی کا سفر شروع ہوا۔

**25 جنوری 1493 :** ساتھیوں نے ایک مچھلی اور ایک بڑی شارک کا شکار کیا کیونکہ ہمارے پاس روٹیوں، پھلوں اور شراب کے علاوہ کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ یہ سب ہم نے اسی جزیرے سے حاصل کیا تھا۔

**14 فروری 1493:** ہم چلتے رہے۔ اچانک ہوا تیز ہو گئی۔ اتنی کہ کشتیاں ڈانواڈول ہونے لگیں۔ سمندر کی طوفانی لہروں نے ان کو زوردار جھٹکے دینے شروع کردیے۔ اتنے کہ ہم سب زندگی سے مایوس ہو گئے۔ اس وقت مجھے اپنے دونوں بچے یاد آنے لگے کہ میری موت کے بعد ان کا کیا ہوگا۔

**14 مارچ 1493 :** گزشتہ شب طوفانی ہواؤں نے ہمیں بہت پریشان کر دیا تھا۔ ہماری کشتیاں تنکوں کی طرح ہواؤں کے رحم و کرم پر تھیں۔ ہر طرف سے ان پر یورش ہو رہی تھی۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ ہماری کشتیاں ہوا میں اڑ رہی تھیں۔ ہر چہار طرف پانی ہی پانی تھا۔ کانوں کو پھاڑ دینے والی گھن گرج اور بجلیوں کی چکا چوندھ نے ہمارے ہوش اڑا رکھے تھے۔

**15 مارچ 1493 :** ان سب کے باوجود آخر کار ہم اپنی اس بندرگاہ میں صحیح سلامت داخل ہو گئے جہاں سے ہم 3 اگست 1492 کو روانہ ہوئے تھے۔

یہ تھا کرسٹوفر کولمبس کا پہلا سفر جس میں اس نے امریکہ کا Main Land نہیں دریافت کیا تھا بلکہ اس کے مشرق میں کچھ جزیروں تک ہی وہ پہنچ سکا تھا۔ یہ جزیرے کیوبا، ہائیٹی، ہونڈوراز، پورٹو ریکو وغیرہ تھے جن کو ابھی ہم اور آپ ویسٹ انڈیز (West Indies) کے نام سے جانتے ہیں۔ جہاں کی کرکٹ ٹیم ہمارے یہاں آکر کھیلا کرتی ہے۔

اس پہلے سفر کے علاوہ کولمبس نے اسی جانب مزید دو سفر اور بھی کیے تھے۔ دوسرا سفر 24 ستمبر 1493 کے دن سترہ کشتیوں اور پندرہ سو افراد کے ساتھ وہ اوقیانوس میں جنوب مغرب کی طرف دوبارہ روانہ ہوا۔ اس سفر میں اس نے ویسٹ انڈیز کے مزید جزائر مثلاً سانتا کروز، ڈومینیکن، Virgin Island سمیت مزید دس جزیروں کی کھوج کر ڈالی۔

کولمبس کا تیسرا سفر اسی جانب 1498 میں ہوا جس میں اس نے جزیرہ ترینداد (Trinidad) کی کھوج میں کامیابی حاصل کی۔ مگر اس مرتبہ اسپین کے بادشاہ نے لوگوں کی شکایت کی بنا پر اس کو زنجیروں سے بندھوا کر اسپین واپس بلا لیا۔ ایک ماہ تک زنجیروں سے بندھا ہوا بھوکا پیاسا کولمبس اسپین پہنچا۔ ملکہ نے اس کی حالت زار دیکھ کر معاف کر دیا۔

زندگی کے آخری دور میں کولمبس کی مالی حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔ اس کے پاس سر چھپانے کی جگہ بھی نہیں تھی۔ اس کے آخری الفاظ تھے:

" I don't have a roof in Spain "

( اسپین میں میرے سر پر ایک چھت تک نہیں ہے )

**{تعارف مارچ 2022 کے شمارے میں شائع ہوچکا ہے}**

■

**Syed Shamim Ahmad Madni**
H.No. 5, Cross Road 10/A,
Azadnagar, P.O. Mango
Amshedpur-831012 (Jharkhand)
Mob.: 8969850415

## حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک مجاہدِ آزادی

# برکت اللہ بھوپالی

انور ادیب

**بچو!** تم تو جانتے ہو کہ ہندوستان کی آزادی کے لیے جان ومال کی بیش بہا قربانیاں دی گئیں مگر بدقسمتی سے کچھ مجاہدینِ آزادی تاریخ کے اوراق میں گم ہوگئے لیکن ہمارا فرض ہے کہ ہم ان مجاہدین کو بھی یاد کریں جنھیں زمانے نے فراموش کردیا ہے۔ ان مجاہدینِ آزادی میں ایک درخشاں نام برکت اللہ بھوپالی کا ہے۔ حصولِ آزادی کے لیے ان کا اِضطراب قابل ذکر رہا ہے۔ ذیل کی سطور میں اس کی تفصیل پیش کی جارہی ہے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ وطنِ عزیز کی آزادی کے لیے کتنے بے چین تھے۔ ان کی اس بے چینی نے برادرانِ وطن کے دلوں میں آزادی کی روح پھونک دی۔ انھوں نے شادی نہیں کی۔ ان کی ساری زندگی آزادیِ وطن کی جدوجہد کے لیے وقف تھی۔

مولوی برکت اللہ بھوپالی 1864 میں بھوپال میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور مدرسہ سلیمانیہ میں داخل ہوئے۔ 1878 کے قریب یہاں سے سند حاصل کی۔ برکت اللہ کی فکر انقلابی تھی۔ چنانچہ جب 1882 میں ان کی ملاقات مشہور انقلابی رہنما اور عالم شیخ جمال الدین افغانی سے ہوئی تو برکت اللہ ان کے انقلابی خیالات سے بے حد متاثر ہوئے۔ ان کے علاوہ شیاما کرشن ورما اور ہردیال جیسے مشہور انقلابی رہنماؤں نے ان کی سوچ پر کافی اثر ڈالا۔ انھی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے وہ یورپ، امریکہ اور جاپان میں ہندوستان کی آزادی کی تحریک چلارہے تھے۔

1895 میں برکت اللہ لندن گئے۔ وہاں بار بار ان کے دل میں خیال آتا کہ یہ چھوٹا سا ملک ہندوستان جیسے عظیم ملک پر قابو پانے میں کیسے کامیاب ہوگیا اور یہ عظیم اور دولت مند ملک کیسے مفلس ہوگیا۔ لندن میں ان کی ملاقات مشہور رہنما گوکھلے سے ہوئی لیکن ان کی نرم پالیسی سے برکت اللہ جلد ہی بددل ہوگئے۔ لندن میں قیام کے دوران انھوں نے ترکی، فرنچ اور جاپانی زبانیں سیکھیں۔ ان کی صلاحیت اور زبان دانی کو دیکھتے ہوئے انھیں لیورپول یونیورسٹی کے اورینٹل کالج میں عربی کا پروفیسر مقرر کردیا گیا، لیکن پھر ان کے انقلابی خیالات اور سرگرمیوں کی وجہ سے برطانیہ میں ان کا داخلہ ممنوع کردیا گیا۔

21رفروری 1905 میں انھوں نے مولانا حسرت موہانی جو خود ایک پرجوش مجاہدِ آزادی تھے، کو ایک خط لکھا۔ اس میں انھوں نے ہندوستان کے تئیں انگریزوں کی تباہ کن پالیسی کا ذکر نہایت تفصیل سے کیا۔ یہ خط ہندوستان میں شائع ہوا۔ مولانا محمود حسن کی نظر سے یہ خط گزرا۔ انھوں نے مولانا کو آزادیِ ہند کے اپنے انقلابی مشن میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ جسے برکت اللہ نے قبول کرلیا۔ وہ خود بھی تو اسی مقصد کے حصول کے لیے سرگرم تھے۔ اس مشن کے سلسلے میں انھیں جاپان جانا پڑا۔ یہاں انھوں نے اسلامک فریٹرنیٹی (Fraternity) نامی ایک تنظیم قائم کی اور مسلمانوں کے اندر آزادی اور قربانی کے جذبہ کو اُبھارنے میں لگ گئے۔ انھوں نے یہاں 'اسلامک فریٹرنیٹی' نامی ایک رسالہ انگریزی، جاپانی اور اردو زبانوں میں شائع کرنا شروع کیا۔ اس رسالے کی کاپیاں سنگاپور، رنگون اور کولمبو میں تقسیم ہوتی تھیں۔ برطانیہ کی مداخلت سے رسالہ بند کرنا پڑا اور ٹوکیو یونیورسٹی کی پروفیسری سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ لیکن انھوں نے ہمت نہیں ہاری اور تقریباً چھ سال تک اپنی انقلابی تحریک ان علاقوں میں جاری رکھی۔

1914 میں برکت اللہ امریکہ پہنچے اور 'غدر پارٹی' کی بنیاد ڈالی اور یکم نومبر میں 'غدر' نامی اخبار جاری کیا جو اردو، ہندی، مراٹھی اور گورمکھی میں چھپتا تھا اسے خفیہ طور پر ہندوستان بھیجنے کا انتظام کیا گیا۔ غدر پارٹی کا مقصد ہندوستان کو آزاد کرانا تھا۔

پہلی جنگ عظیم شروع ہونے سے پہلے وہ یورپ چلے گئے اور انڈو جرمن مشن کے ساتھ استنبول آئے تاکہ جرمنی کے ذریعے ہندوستان کو آزاد کرانے کی تدبیر کی جاسکے۔ مشن افغانستان کی طرف بڑھا اور وہاں راجہ مہندر پرتاپ کے زیرِ قیادت ایک عارضی 'آزاد ہند حکومت' قائم کی۔ جس کے وزیر اعظم برکت اللہ مقرر ہوئے۔ برطانوی دباؤ کے تحت افغانستان کا رویہ بدل گیا۔ برکت اللہ جرمنی کے لیے روانہ ہوگئے اور وہاں لالہ ہردیال وغیرہ کے ساتھ مل کر 'انڈین انڈیپنڈنس' کی ادارت اور اشاعت کا کام مختصر مدت تک کیا اور ہندوستانی جنگی قیدیوں کے ذہن میں ہندوستان کی آزادی کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد برکت اللہ نے تمام یورپ کا دورہ کیا اور ہندوستان کی آزادی کے لیے عام حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ 1921 میں وہ روس گئے لیکن سخت علالت کے باعث 1922 میں جرمنی سے چلے آئے۔ خلافت کے خاتمہ کے بعد برکت اللہ نے انگریزی میں ایک کتاب 'الخلافت' لکھی جو بے حد مقبول ہوئی۔ پیرس سے انھوں نے 'اصلاح' نامی ایک جریدہ جاری کیا لیکن برطانیہ کی شکایت پر انھیں فرانس چھوڑنا پڑا۔

فروری 1927 میں برکت اللہ سامراج دشمن عالمی کانفرنس میں شرکت کے لیے بروسلز (بلجیم کی راجدھانی) گئے۔ یہاں پنڈت جواہر لال نہرو سے ان کی ملاقات ہوئی۔ نومبر 1927 میں غدر پارٹی کا سالانہ اجلاس سن فرانسسکو (امریکہ) میں ہونے والا تھا اس میں شرکت کے لیے وہ راجہ مہندر پرتاپ کے ساتھ امریکہ روانہ ہوگئے۔ وہ بیمار تھے لیکن انھوں نے اپنی بیماری کی پرواہ نہیں کی۔ بیماری نے شدت اختیار کی اور 20/ستمبر 1927 کو اس عظیم انقلابی مجاہد نے وفات پائی۔ مرنے سے قبل آزادی کے متعلق ان کے یہ الفاظ ان کے جذبات کو ظاہر کرتے ہیں:

''تمام زندگی میں پوری ایمانداری کے ساتھ اپنے وطن کی آزادی کے لیے جدوجہد کرتا رہا۔ یہ میری زبردست خوش قسمتی ہے کہ میری یہ ناچیز زندگی میرے پیارے وطن کے کام آئی۔ آج اس زندگی سے رخصت ہوتے ہوئے جہاں مجھے یہ افسوس ہے کہ میری زندگی میں میری یہ کوششیں کامیاب نہ ہوسکیں وہاں مجھے اس بات کا طمینان ہے کہ میرے بعد میرے ملک کو آزاد کرانے کے لیے لاکھوں آدمی آج آگے بڑھ رہے ہیں جو سچے ہیں، بہادر ہیں، جانباز ہیں۔ میں اطمینان کے ساتھ اپنے پیارے وطن کی قسمت ان کے ہاتھ میں سونپ کر جا رہا ہوں۔''

ان کے جنازے میں مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں اور سکھوں کی ایک زبردست تعداد موجود تھی۔ جس سے ان کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

بچو! اس مضمون کے مطالعہ سے تمھیں یقیناً اندازہ ہوگا کہ اپنے پیارے وطن کی آزادی کے لیے کیسی کیسی قربانیاں دی گئیں۔ لہٰذا، ہمارا فرض ہے کہ ہم ان قربانیوں کی قدر کریں اور اس ملک کی عزت پر آنچ نہ آنے دیں۔

■

**Dr. Anwar Adeeb**
Ibrahim Manzil
Mosaddi Mohalla, Railpar
P.O. Asansol - 713301
Dist: Paschim Bardhaman (West Bengal)

مضمون

وسیم سعید

# ڈیجیٹل دوستی

**انسانی فطرت** کا تقاضا ہے کہ انسان جس سے پیار و محبت کا اظہار کرتا ہے اُس کے ردعمل کا بھی منتظر رہتا ہے۔ دوستی اور پیار و محبت کی پاسداری صرف اس شرط پر ممکن ہے جب دونوں انسانوں کے خیالات، جذبات، کردار اور اطوار ایک دوسرے سے ملتے ہوں۔ ان کے افکار و اعمال ایک نقطے پر مرکوز ہوتے ہوں۔ تو یقیناً دونوں کے درمیان رابطہ استوار ہوجاتا ہے اور ان میں آپسی محبت پیدا ہوجاتی ہے۔ اُن میں پاسداری کا لحاظ بھی ہوجاتا ہے۔ انسان اکیلے زندگی نہیں گزار سکتا۔ ایک خوشحال زندگی کے لیے خوش گوار رشتے بے حد اہمیت رکھتے ہیں۔ دوستی بھی ایک ایسا ہی رشتہ ہے جو ہر قسم کے مشکل حالات میں انسان کا سہارا بنتی ہے۔ سچا دوست وہ ہوتا ہے جو خوشی اور غم، ساز گار اور ناساز گار حالات میں ساتھ دے۔ جس کے ساتھ وقت گزارنے سے راحت و سکون اور دلی مسرت حاصل ہو۔ دنیا میں ہر شخص کو ایک سچے دوست کی ضرورت پیش آتی ہے۔ سچا دوست زندگی میں انمول تحفے کی مانند ہوتا ہے۔ کیونکہ سچے اور ایماندار دوست بڑے ہی نایاب اور انمول ہوتے ہیں۔ دوستی ایک ایسا پھول ہے جسے چاہے کانٹوں میں رکھو یا دھوپ میں وہ اپنی خوشبو اور خوبصورتی کبھی نہیں چھوڑتا۔

ہر وہ شخص خواہ کسی بھی ذات و مذہب کا ہو، اچھا ہو یا بُرا، امیر ہو یا غریب، شہری ہو یا دیہاتی کوئی نہ کوئی اُس کا دوست ضرور ہوتا ہے۔ کسی نہ کسی کو وہ اپنا ہمدرد ضرور سمجھتا ہے اور کسی نہ کسی سے ہمدردی ضرور رکھتا ہے۔ کچھ دوست عام قسم کے ہوتے ہیں، کچھ خاص قسم کے۔ اور ان میں سے بھی کوئی ایک خاص الخاص ہوتا ہے۔ جسے وہ اپنا بہترین اور اچھا دوست سمجھتا ہے۔ جس کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ لفظ دوست زبان سے ادا کرنا کس قدر سہل اور آسان ہے۔ مگر اس کے مفہوم کو سمجھنا ہر کسی کے لیے آسان نہیں ہے۔ دراصل دوستی چار صفات کا مجموعہ ہے۔ دیانت داری، وفاداری، سچائی اور تابعداری۔ اگر ان چار صفات کا

وجود دوستوں کے درمیان رہتا ہے تو دوستی کا رشتہ کبھی نہیں ٹوٹتا۔ دوستی ایک ہمہ گیر رشتہ ہے، جسے بہت کم لوگ سمجھ پاتے ہیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں دوستی کا رشتہ بہت بہتر ہے رشتے داری سے۔ کیونکہ رشتے داروں سے رشتہ خون کا ہوتا ہے۔ دوستوں سے رشتہ دل کا ہوتا ہے اور دل سارے جسم کو خون مہیا کرتا ہے۔

کہتے ہیں کہ تبدیلی دُنیا کا اُصول ہے۔ وقت کے ساتھ ہر شے بدل جاتی ہے۔ اور جو لوگ وقت کے ساتھ تبدیلیوں کو قبول کرتے ہیں وہی زیادہ خوشحال رہتے ہیں۔ ویسے یہ اُصول صرف بنیادی چیزوں پر ہی عائد نہیں ہوتا، بلکہ رشتوں میں بھی وقت کے ساتھ بدلاؤ دیکھا جاتا ہے۔ بدلتے زمانے میں اب دوستی کے طریقے اور معنی و مفہوم بھی بدلنے لگے ہیں۔ ماضی میں گلی اور چوک چوراہے پر، چائے پان کی چھوٹی سے دکان سے شروع ہونے والی دوستی موجودہ دور میں اسمارٹ فون کے ذریعے بننے لگی ہے۔ اس طرز کی دوستی میں باتوں کا انداز اور طور طریقہ وہی ہوتا ہے بس ملنے کا طرزِ عمل مختلف اور منفرد ہو گیا ہے۔

موجودہ دور ڈیجیٹل دور سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جس طرح پچھلے کچھ سالوں میں کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور موبائیل کا استعمال بڑھا ہے اسی طرح دوستی بھی ڈیجیٹل اور آن لائن ہونے لگی ہے۔

انسانی تعلقات کے ماہرین کہتے ہیں کہ ویسے تو دوستوں کے دل آپس میں ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں اور وہ دور ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے جذبات اور خیالات کو بخوبی محسوس کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے لیے کبھی کبھی چاہ کر بھی ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کئی بار ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوست کا گھر کافی طویل فاصلے پر ہوتا ہے، تو کبھی دونوں کے ملنے کے اوقات ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتے۔ جس کی وجہ سے ان کی ملاقات رد ہو جاتی ہے۔ لیکن آن لائن دُنیا میں ایسا نہیں ہوتا۔ آپ کا دوست چاہے سات سمندر پار ہی کیوں نہ ہو، آپ اس سے بس ایک ہی کلک کی دوری پر ہیں۔ بس اپنا انٹرنیٹ آن کیا اور اپنے دوست سے جتنی مرضی بات چیت کر لی۔ اس کے علاوہ تمام دوست ایک ساتھ بھی بہت آسانی سے مل کر باتیں کر سکتے ہیں اور اپنی یادوں کو تروتازہ بھی کر سکتے ہیں۔

رشتوں کے ماہرین کہتے ہیں کہ پچھلے کئی سالوں میں پوری دُنیا میں کافی کچھ بدلاؤ آ گیا ہے۔ اس بدلتے وقت میں دوستی کو محفوظ رکھنے کے لیے سوشل میڈیا پر زیادہ دھیان مرکوز کیا جا رہا ہے۔ ان دنوں آپ کے لیے بھی اپنے دوست کی

حفاظت زیادہ اہمیت کی حامل ہوجاتی ہے۔ایسے میں ان سے تھوڑی دوری بنانا ہی آپ کی سچی دوستی ہے۔ اس طرح اگر دیکھا جائے تو آن لائن دوستی اس وقت صحیح معنوں میں بہت بہتر ہے۔

دوستی ایک کھٹا میٹھا رشتہ ہوتی ہے۔جس کی کوئی بظاہر صورت نہیں ہوتی۔ یہ ایک ایسا رشتہ ہے جو ہر عمر کے لوگوں کے لیے نہایت ہی ضروری ہوتا ہے۔اکثر کہا جاتا ہے کہ وہ لوگ خوش قسمت ہوتے ہیں جنھیں زندگی میں سچا اور اچھا دوست ملتا ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ دوستی کا رشتہ زندگی کے کچھ خاص اور ضروری رشتوں میں سے ایک ہوتا ہے۔دوست وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ ہم اپنی زندگی کا ہر سکھ دکھ بانٹ سکتے ہیں۔ہمارا اکیلا پن دور کرنے میں دوست کا بہت اہم اور نمایاں کردار ہوتا ہے۔اگر زندگی میں اچھے دوستوں کا ساتھ ہو تو کسی کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔

ایک مطالعے میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ایک اچھا دوست آپ کے اکیلے پن کو دور ہی نہیں کرتا بلکہ وہ آپ کی دماغی صلاحیت یعنی یادداشت کو بھی تیز کرتا ہے۔مطالعے کی رپورٹ میں یہ بھی انکشاف کیا گیا ہے کہ 80 سال کی عمر ہونے کے باوجود جن لوگوں کے تعلقات اپنے دوستوں کے ساتھ اچھے تھے ان کی یادداشت اپنے ہی ہم عمروں کے مقابلے زیادہ تھی جو لوگ ایک عام تعلق میں تھے۔اس مطالعے کے دوران لوگوں سے نفسیاتی تندرستی پر چھ طرح کے سوالات پوچھے گئے۔اس دوران ان لوگوں کی دماغی صلاحیت کی قدر پیمائی کی گئی تو پایا گیا کہ یاروں اور دوستوں کے ساتھ اپنے دل کی بات شیئر کرنے اور ان کے ساتھ وقت گزارنے والے لوگ خود کو زیادہ زندہ دل اور خوش مزاج محسوس کرتے ہیں۔تحقیقات کے مطابق اس مطالعے کا اہم مقصد اس بات کو سمجھانا تھا کہ بڑھتی عمر میں کس طرح دماغی صلاحیت کو تیز اور درست رکھا جاسکتا ہے۔جس میں یہ بات بھی نکل کر سامنے آئی کہ اچھی دوستی اور سوشل نیٹ ورک آپ کی دماغی صلاحیت کو بڑھانے کے ساتھ آپ کو الزائمر کی بیماری سے دور رکھنے میں مدد کرتا ہے، یہ بات کئی مطالعے میں ثابت ہوچکی ہے۔ ساتھ ہی تحقیق کرنے والے نے یہ بھی کہا ہے کہ الزائمر جیسی خطرناک بیماری سے بچنے کے لیے آپ کو سوشل نیٹ ورک بنانے کے ساتھ ساتھ اپنی جسمانی اور ذہنی صحت پر بھی دھیان دینا ضروری ہوتا ہے۔

زندگی ہمیں خوبصورت دوست دیتی ہے لیکن اچھے دوست ہمیں خوبصورت زندگی دیتے ہیں۔مخلص دوست کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ

وہ ہر اُس کام سے اجتناب کرتا ہے جس سے آپ کی بے عزتی کا اندیشہ ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ فاصلے انسان کو دور کرتے ہیں مگر اچھے کردار اور عمدہ اخلاق کے حامل مخلص دوست ہمیشہ قریب ہوتے ہیں، دلوں میں بھی لفظوں میں بھی۔دوستی میں لڑنا، جھگڑنا، پیار اور محبت سب ہونا چاہیے، لیکن انا اور غرور ہر گز نہیں ہونا چاہیے۔دوست اللہ کا عطا کردہ بہت قیمتی تحفہ ہے۔ اُس کی قدر کیجیے جس کی قدر نا ہو وہ نعمت آپ کے نصیب سے واپس چلی جاتی ہے۔دوستی کسی وجہ سے یا کسی مقصد کے لیے نہیں کی جاتی۔مگر جب یہ ہوجاتی ہے تو زندگی کا مقصد اور جینے کی وجہ بن جاتی ہے۔دوستی کنول کا وہ پھول ہے جو خلوص کی جھیل میں کھلتا ہے۔

■

**Waseem Sayeed**
Gujri Bazar, Near Masood Hotel
Kamptee- 441001
Distt: Nagpur (MS)
Mob: 7620594269

# بچوں کے لیے عام فہم کتابیں ان کے ذہنی و فکری ارتقا میں مدد دیتی ہیں: ذکیہ مشہدی

**سوال:** بچپن کی کون سی باتیں/ شوخیاں/شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟

**ج:** بچپن ماضی کا خوشگوار ترین عہد ہوتا ہے۔ ایسے کم قسمت لوگ کم ہی ہوتے ہیں جن کا بچپن اذیت ناک ہو۔ میرا بچپن بھی بہت ہی خوشگوار یادوں سے بھرا پڑا ہے۔ حتیٰ کہ اس وقت جو ڈانٹ پڑی یا (کبھی کبھار) ایک آدھ چپت کھایا، وہ بھی یاد کر کے آج دل میں پھول کھلتے چلے جاتے ہیں۔ دلچسپ یادیں اتنی زیادہ ہیں کہ سمجھ میں نہیں آرہا کیا چھوڑوں کیا لکھوں۔ میری ایک کپڑے کی گڑیا تھی جو پڑوس کی ایک بزرگ خاتون نے بنا کر دی تھی۔ وہ خاتون بھی بچپن کا حصہ ہیں۔ خیر تو بنانے میں شاید کچھ گڑبڑ ہوگئی اور گڑیا کے چہرے پر کچھ شکنیں آگئیں۔ میں نے کہا یہ گڑیوں کی نانی ہے۔ میرے پاس دو ایک پلاسٹک کی اور دو ایک مٹی کی گڑیاں تھیں۔ وہ سب نواسے نواسیاں قرار پائیں۔ پڑوس کی ایک سہیلی نے ایک بیکار سرنج اور ایک سوئی مہیا کرادی تھی۔ بس نانی بیمار پڑگئیں۔ اس سرنج میں پانی بھر بھر کر نانی کو دے انجکشن پہ انجکشن۔ نانی بھیگ کر چوہا بن گئیں تو انھیں سوکھنے کے لیے کھلی چھت پر دھوپ میں ڈال دیا گیا وہاں یہ امی کے ہاتھ لگ گئیں اور ان کا حشر خراب ہوا۔ لیکن کیا گڑیوں سے کھیلنا بند ہوگیا؟ نہیں صاحب۔ گڑیاں تو ذہن کے طاق پہ سجی ہوئی ہیں۔

جہاں تک شوخیوں کا سوال ہے وہ بھی لاتعداد ہیں بس ایک دلچسپ واقعہ بتاتی ہوں مجھے شمع میں فلمی ستاروں کی تصویریں دیکھنے کا بہت شوق تھا لیکن والد شمع پڑھنے نہیں دیتے تھے۔ اپنے لیے کبھی کبھار خرید لاتے تھے تو میں اس تاک میں رہتی تھی کہ مجھے کیسے ملے۔ عمر کوئی دس گیارہ برس تھی۔ بہت روانی سے اردو پڑھ لیتی تھی۔ ایک مرتبہ والد کہیں گئے ہوئے تھے جہاں سے ان کے جلدی لوٹنے کی امید نہیں تھی۔ میں نے ڈھونڈ کر چابیوں کا گچھا نکالا جو ایک پوشیدہ جگہ ٹنگا رہتا تھا۔ اس میں ان کی میز کی دراز کی چابی تھی۔ اس دراز میں وہ شمع رکھا کرتے تھے اور اسے بند کر دیتے تھے۔ آرام سے شمع نکالا۔ بڑے شوق سے مطالعے میں غرق ہوگئی۔ اور وہ بھی والد کی کرسی میں دھنس کر۔ کسی اتفاق کے تحت وہ بہت جلدی لوٹ آئے اور میں رنگے ہاتھوں پکڑی گئی۔ میرے والدین بچوں کو مارتے نہیں تھے۔ لیکن اس وقت مجھے دو تھپڑ پڑے۔ ایک تو چابی کی جاسوسی کر کے چابی چرانے کے لیے اور دوسرا شمع پڑھنے کے لیے۔ جن خشمگیں نظروں سے گھورا گیا وہ لبھاؤ میں۔ (آج کل شاید یہ لفظ 'لبھاؤ' متروک ہے سے یہ سمجھیں کہ سبزی خریدی تو سبزی والے نے تھوڑا سا ہرا دھنیا مفت میں ڈال دیا) میں نے یہ شرارت خاص طور پر اس لیے رقم کی کہ اس وقت نہ میرے خواب وخیال میں تھا نہ والد کے کہ ایک دن میں اسی شمع کے لیے افسانے لکھوں گی جسے چرا کر پڑھا اور

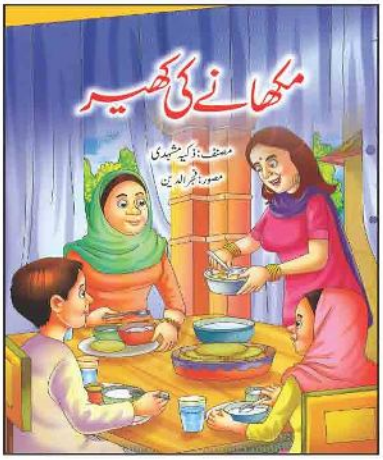

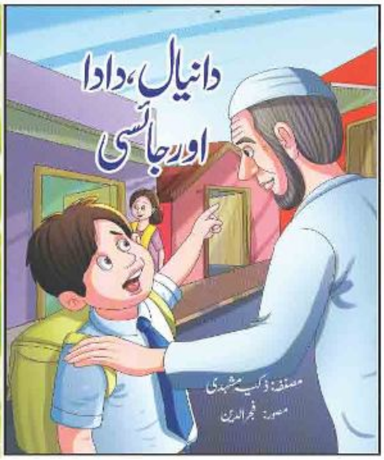


بچوں کے لیے ذکیہ مشہدی کی کتابیں

پھر پڑھنے پر مار کھائی۔ میں نے یونس دہلوی مرحوم کو بھی یہ واقعہ سنایا۔ چوں کہ ان سے بار بار ملاقات نہیں ہوتی تھی اس لیے پہلی مرتبہ ملنے پر ہی سنا ڈالا۔ وہ بے ساختہ ہنس پڑے۔ اس وقت والد حیات تھے۔ یونس صاحب نے کہا اب تو مزید سرزنش ہونی چاہیے۔ اب ہنسنے کی باری میری تھی۔

**سوال:** بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنّفین کون تھے اور اب کون ہیں؟

**ج:** دیکھیے اردو میں ایسے مصنف تقریباً نہیں کے برابر ہیں جو صرف بچوں کے لیے لکھتے ہوں اور اتنا اچھا ادب پیش کر رہے ہوں کہ 'پسندیدہ' کے زمرے میں آسکیں کیوں کہ 'پسندیدہ' کے لیے تقابلی جائزہ ضروری ہوتا ہے اور تقابلی جائزے کے لیے کچھ نہیں تو چار پانچ تو ہوں۔ لیکن جن عام فکشن لکھنے والوں نے بچوں کے لیے بھی لکھا اُن میں کرشن چندر (الٹا درخت، چڑیوں کی الف لیلہ) نے بڑی دلچسپ کہانیاں بلکہ ناول لکھے۔ عصمت چغتائی کا تین اناڑی مجھے بہت پسند آیا تھا۔ پھر ڈاکٹر ذاکر حسین کا مجموعہ 'ابو خاں کی بکری' جس میں بہت سی کہانیاں ہیں جو بڑی دلچسپ، سادہ اور بڑے ہی لطیف انداز میں کچھ سبق دینے والی ہیں۔ لیکن ان تینوں حضرات میں سے کوئی بھی بچوں کے لیے بڑا اثاثہ نہیں چھوڑ گیا۔ سراج انور نے بچوں کے لیے ناول لکھے لیکن مجھے وہ پسند نہیں آئے (یہ میری ذاتی رائے سمجھی جائے) ہاں شاعروں میں، راجا مہدی علی خاں اور شفیع الدین نیر بہت پسند تھے۔ نیر صاحب تو بچوں کے لیے ہی نظمیں کہتے تھے۔

**سوال:** بچپن میں کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟

**ج:** اردو میں قدرے بڑی عمر (چودہ پندرہ سال) میں ڈپٹی نذیر احمد کی مراۃ العروس اور بنات النعش پڑھیں جو اس عمر میں بے حد پسند آئیں۔ تقریباً اسی عمر میں میں نے انگریزی ناول سوئس فیملی رابنسن پڑھا جو بے حد پسند آیا تھا۔ اسی طرح کی کوئی دلچسپ کتاب اردو میں نظر سے نہیں گزری۔

**سوال:** بچپن میں بچوں کے کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟

**ج:** کھلونا، پھول اور نور۔ ان میں سب سے زیادہ کھلونا پسند تھا جو عرصے تک گھر میں آتا رہا۔ میرے بعد میرے چھوٹے بہن بھائی اسے پڑھتے تھے لیکن میں کھلونا کی عمر سے گزر جانے کے بعد بھی پڑھ لیتی تھی۔ ہندی میں چندا ماما بہت شوق سے پڑھتی تھی اس کی ہندی قدرے ناہموار ہوتی تھی اس لیے کہ چندا ماما دکن کی کسی زبان میں شائع ہوتا اور دوسری علاقائی زبانوں میں ترجمہ ہو کر آتا تھا۔ بہر کیف پھر بھی بہت پسند تھا۔ انگریزی میں بچوں کا کوئی رسالہ نہیں دیکھا البتہ کتابیں بہت پڑھیں جو اسکول کی لائبریری سے آسانی سے مل جایا کرتی

تھیں۔ اردو میں پہلی کیشنز ڈویژن کی شائع کی ہوئی جاتک کتھائیں اور دوسری لوک کتھاؤں کے چھوٹے چھوٹے مجموعے بھی پڑھے۔

**سوال:** بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟

**ج:** بچوں کے لیے ہلکی پھلکی کتابیں جوان کی عمر کے عین مطابق ہوں، ذہنی وفکری ارتقا میں مدد دیتی ہیں۔ مثلاً بہت چھوٹے بچوں کے لیے تصویری کتابیں، ان کے بعد پریوں، جانوروں اور حسنِ فطرت پر مبنی کہانیاں۔ پریوں پر ناک بھوں نہ سکوڑیں۔ بچے آج بھی بونوں، پریوں اور جادوگرنیوں کی کہانیاں پڑھتے ہیں اور آگے بڑھیے تو یہ چھوٹ جاتی ہیں۔ نوبرس اور اس کے بعد اخلاقی درس دینے والی کہانیاں، لیکن یہ بلاواسطہ ہوں، بالواسطہ نہیں۔ سائنسی ایجادات، جانوروں کی حیاتیات، مختلف ملکوں سے تعلق رکھنے والے کہانی نما مضامین پر مشتمل کہانیاں۔ پھر آج کل جس طرح کی کہانیاں انگریزی مصنف رسکن بانڈ (Ruskin Bond) نے لکھی ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ بچپن میں میں نے اردو میں ایک کتاب پڑھی تھی 'دنیا کے بچے' اس میں مختلف ملکوں حتیٰ کہ الاسکا میں رہنے والے اسکیمو بچوں کے متعلق بھی بڑے دلچسپ پیرایے میں معلومات دی گئی تھیں جو نہ صرف تفریح مہیا کرتی تھیں بلکہ معلومات میں اضافہ بھی کرتی تھیں۔ میرے خیال میں اس سلسلے میں سروے کرنے اور مختلف عمر کے بچوں سے براہ راست گفتگو کرنے سے بہت فائدہ ہوگا۔

**سوال:** زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنّفین کی کتابیں بچوں کے لیے رہنما ثابت ہوسکتی ہیں؟/مستقبل اور اپنے کریئر کو سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا؟

**ج:** ان دونوں سوالوں کے الگ الگ جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اچھے مصنّفین کی کتابیں ذہنی ارتقا کے ساتھ ساتھ لسانی ارتقا بھی کرتی جاتی ہیں۔ جو کتابیں بچوں کے لیے عمدہ ہیں ان کی زبان ان کے مطابق ہوتی ہے اور ان کے ذخیرۂ الفاظ کو بہتر بناتی ہے۔

**سوال:** اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟

**ج:** میرا تعلق مغربی یوپی کے ایک زمین دار خاندان سے ہے، جس کی زمین داری خاتمہ زمین داری سے قبل ہی ختم ہونے لگی تھی۔ والد کے اجداد کا وطن شیر کوٹ ضلع بجنور تھا اور والدہ کا تعلق امروہہ ضلع مرادآباد سے۔ میرا داد ہیال بوجہ بجنور چھوڑ کر لکھنؤ آن بسا اور پھر کبھی ادھر کا رُخ نہیں کیا۔ والد نے لکھنؤ کے مشہور تکمیل الطب کالج سے حکمت کی تعلیم حاصل کی۔ بہت روشن خیال، کثیر المطالعہ اور تعلیم نسواں کے حامی تھے (اب یہ نظر انداز کردیں کہ کم عمر لڑکیوں کے شمع پڑھنے کے مخالف تھے) ویسے بھی ہمارے خاندان میں تعلیم نسواں کا بڑا چرچا تھا۔ مجھ سے بڑی عمر کی رشتہ دار خواتین جن میں سے بیشتر اب حیات بھی نہ ہوں گی، لکھنؤ اور علی گڑھ سے گریجویشن اور پوسٹ گریجویشن کی تعلیم حاصل کررہی تھیں۔ میں نے بھی لکھنؤ یونیورسٹی سے نفسیات میں ایم۔اے کیا۔

> جن عام فکشن لکھنے والوں نے بچوں کے لیے بھی لکھا اُن میں کرشن چندر (الٹا درخت، چڑیوں کی الف لیلہ) نے بڑی دلچسپ کہانیاں بلکہ ناول لکھے۔ عصمت چغتائی کا تین اناڑی مجھے بہت پسند آیا تھا۔ پھر ڈاکٹر ذاکر حسین کا مجموعہ 'ابو خاں کی بکری' جس میں بہت سی کہانیاں ہیں جو بڑی دلچسپ، سادہ اور بڑے ہی لطیف انداز میں کچھ سبق دینے والی ہیں

**ج:** اردو اسکول میں نہیں پڑھی لیکن عمومی تعلیم کے دوران والد نے علیحدہ سے جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب اور ادیب ماہر کے امتحان دلوائے جو علی الترتیب ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کے مساوی تھے۔ ان کی وجہ سے مجھے بی۔اے کے دوران اردو بطور مضمون لینے کی اجازت مل گئی۔ میں اردو میں اپنی لیاقت و صلاحیت کے لیے والد کی توجہ اور کاوش کی مرہون منت ہوں ورنہ میں نے جن اسکولوں میں تعلیم حاصل کی ان میں اردو نہیں

تھی۔ ہم لوگ پانچ بہن بھائی ہیں اور باوجود اعلیٰ عصری تعلیم کے سب کو اردو اچھی طرح آتی ہے۔ مطالعے کا شوق سب کو ہے۔ افسوس یہ ہے کہ یہ شوق نئی نسل نے اتنا نہیں اختیار کیا۔

**سوال:** آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟

**ج:** مجھے بچوں کے لیے لکھنے کا خیال بہت دیر سے آیا۔ گرچہ یہ ایک تضاد ہے جو خود میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میں جب خود بھی کم عمر تھی، چھوٹے بچوں کو بٹھا کر خوب کہانیاں سنایا کرتی تھی۔ علاوہ اس کے پختہ عمر ہو جانے پر بھی بچوں کی کہانیاں پڑھنے میں دلچسپی تھی۔ خاص طور پر لوک کتھاؤں میں۔ میرے پاس بہت سی کتابیں تھیں۔ روسی ادب خاص طور پر تھا۔ اب بھی ان میں کی دو چار کتابیں موجود ہیں۔ پھر بھی بچوں کے لیے خاص طور پر کچھ نہیں لکھا۔ یہ ضرور ہے کہ میں تعلیم بالغان کے سلسلے میں چالیس سال سے کہانیاں ہی لکھ رہی تھی گرچہ وہ ناخواندہ 'بڑوں' کے لیے تھیں اس لیے ادب اطفال کے زمرے میں نہیں آتی تھیں۔ شاید میرے بچوں کے بچے، بچوں کے لیے خصوصی طور پر لکھنے کا سبب بنے۔ کوئی دس سال پہلے میرے چھ سالہ نواسے نے کہا، نانی کوئی نظم لکھ دیجیے جو ایک مضحکہ خیز (funny) ہَیٹ پر ہو۔ اسکول میں مانگی گئی ہے اور ایسا ہیٹ بھی بنانا ہے جسے دیکھ کر ہنسی آئے۔ اب مجھے شاعری کرنا تو قطعی نہیں آتا لیکن تک بندی تو بچے بھی کر لیتے ہیں اس لیے میں نے اس کے لیے نظم لکھی 'ایک انوکھا ہیٹ' اور ایک ہیٹ بھی بنا دیا جس میں چڑیا نے گھونسلہ بنایا ہوا تھا۔ پھر میں نے پوتے کا نام استعمال کرتے ہوئے کہانی لکھی 'دانیال اور چڑیا' وہ واقعہ تقریباً یونہی پیش آیا تھا جسے کہانی کی شکل دے دی اور چھ سات سالہ دانیال بہت خوش ہوا کہ اس کے نام سے کہانی لکھی گئی ہے۔ یوں بچوں کے لیے لکھنے کا آغاز ہوا۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ میں نے بہت نہیں لکھا۔ اگر صحت اور زندگی رہی تو ضرور لکھوں گی اور ہو سکا تو چھوٹا سا ناول لکھوں گی۔

**سوال:** آپ کی پہلی تخلیق، کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟

**ج:** مجھے یاد نہیں۔ شاید بچوں کی دنیا میں۔

**سوال:** آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟

**ج:** میں چڑیوں، پیارے پیارے جانوروں جیسے بلّی، خرگوش، گلہری وغیرہ کو موضوع بناتی ہوں۔ اس کے علاوہ (بلاواسطہ) اخلاقی درس دینے والے واقعات جیسے 'دانیال، ننھی رکشا اور لکڑی کا گھوڑا' کا موضوع ہے یا دانیال، دادا اور جائسی کا بھی۔ دراصل میرا ہدف چھ سے نو۔ دس برس کے بچے ہیں۔ ابھی تک میں نے زیادہ بڑے بچوں کے لیے نہیں لکھا۔ اگر مجھے پبلشر ملیں تو میں چار پانچ برس کے بچوں کے لیے اردو میں تصویری کہانیاں لکھوں۔

> مجھے یاد ہے کہ بچپن میں میں نے اردو میں ایک کتاب پڑھی تھی 'دنیا کے بچے' اس میں مختلف ملکوں حتیٰ کہ الاسکا میں رہنے والے اسکیمو بچوں کے متعلق بھی بڑے دلچسپ پیرایے میں معلومات دی گئی تھیں جو نہ صرف تفریح مہیا کرتی تھیں بلکہ معلومات میں اضافہ بھی کرتی تھیں۔

**سوال:** کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟

**ج:** کوئی ریسرچ کرنے کی ضرورت نہی ہے۔ نفسیات میرا موضوع رہا ہے اور دوسرے اب میں ماشاء اللہ چار پوتے نواسوں کی گرینڈ ما ہوں۔

**سوال:** بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

**ج:** کوئی دقت نہیں محسوس ہوئی۔ بس اردو میں کتابوں کی کھپت کا مسئلہ آڑے آتا ہے۔

**سوال:** ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقے میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟

**ج:** پہلے فکشن نگار کی حیثیت سے تو ہوئی (قہقہہ) بھئی ابھی میں نے زیادہ کچھ نہیں لکھا ہے۔

**سوال:** کیا آپ اب بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتے ہیں؟

**ج:** جی ہاں بہت شوق سے۔

**سوال:** انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسالے بچوں کے لیے مفید ثابت ہوسکتے ہیں؟

**ج:** میں انگریزی میں کسی رسالے سے واقف نہیں ہوں۔ ہندی میں چمپک، نندن اور چنداماما دلچسپ رسالے ہیں۔ شاید چمپک انگریزی میں اب بھی شائع ہوتا ہے لیکن جب میں نے پڑھا مجھے بہت پسند نہیں آیا تھا۔ انگریزی میں بچوں کی کتابوں کی البتہ بہتات ہے اور ہر عمر کے لیے ہیں۔

**سوال:** کیا اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا شائع ہونے والا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟

**ج:** میری معلومات اس سلسلے میں زیادہ نہیں ہے لیکن بچوں کی دنیا اور اُمنگ یہ دونوں اچھے رسالے ہیں۔ گل بوٹے عرصے سے نہیں دیکھا لیکن جب دیکھا تو معقول لگا۔

**سوال:** بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہو رہے ہیں، ان کے مواد اور زبان و بیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

**ج:** جن رسالوں کا میں نے ذکر کیا وہ اچھے مضامین اچھی زبان میں پیش کر رہے ہیں بس ذرا دلچسپی کا سامان زیادہ مہیا کرائیں تو بہتر ہوگا۔

**سوال:** معاصر ادب اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

**ج:** اردو میں تو زیادہ نہیں۔

**سوال:** بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟

**ج:** دیکھیے بچوں کے لیے موضوع ان کی عمر کے اعتبار سے طے ہوتے ہیں۔ آپ دو سے پانچ، پانچ کے بعد سات آٹھ، پھر نو سے بارہ سال کے گروپ ذہن میں تخلیق کریں۔ ان کی باؤنڈری پتھر سے نہیں بنتی بلکہ لچک دار ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اپریل میں ابھی ایک انگریزی کی کتاب بلّیوں پر دیکھی۔ زیادہ تصویریں، تھوڑا سا آسان متن۔ نہایت خوب صورت طباعت۔ اسے میرا تین سالہ پوتا بڑے شوق سے دیکھتا اور چند الفاظ سیکھتا تھا۔ وہی کتاب میں نے اپنی دوست کی آٹھ سالہ نواسی کو تحفتاً دی۔ اس نے بلّی پال رکھی ہے۔ وہ بھی اس کتاب سے بہت خوش ہوئی۔ ایک کتاب عرصہ پہلے ایک بچے کو دی تھی وہ تربوز کی صورت کی گول کتاب تھی اسے تین سے پانچ سال کے بچے استعمال کر سکتے تھے۔ میں چاہتی ہوں اردو میں اسی طرح کی کتابیں آئیں۔ (افسوس انگریزی نے ہم سب کا دماغ خراب کر رکھا ہے۔ لیکن کیا اردو شانہ بہ شانہ نہیں چل سکتی) بارہ سال کے بعد بچے نوبالغوں (teen agers) کی صف میں آجاتے ہیں ان کے لیے موضوعات بالکل الگ ہوجائیں گے۔ آسان پیرایے میں سماجی مسائل کو لیا جاسکتا ہے۔ سائنسی معلومات مہیا کرائی جاسکتی ہیں۔

**سوال:** بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز اور مشورے!

**ج:** یہ ان کے والدین کی صوابدید پر منحصر ہیں لیکن اگر اردو کی بات کریں تو میں کہوں گی کہ بچہ پانچ برس کا ہوجائے تو ہفتے میں تین دن اسے آدھا گھنٹہ فی دن اردو کے لیے بٹھائیں اور بہت ہی آسان زبان میں چھوٹی چھوٹی کہانیوں سے ابتدا کریں بس ایک بڑے یا دو چھوٹے پیراگراف میں مکمل کہانی۔

**سوال:** ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟

**ج:** یہ سوال ذرا تفصیل سے گفتگو کا طالب ہے۔ آپ حضرات سمینار یا ورک شاپ منعقد کریں۔

**سوال:** بچوں کے لیے آپ کا کوئی پیغام!

**ج:** اپنے والدین اور اپنی مادری زبان کی عزت کریں، ان سے محبت کریں۔ ٹی.وی اور موبائل ضرور استعمال کریں لیکن انھیں اپنے اوپر حاوی نہ ہونے دیں۔

(ہے کوئی سننے والا؟)

■

**Ms. Zakia Mashhadi**
F-1, Grand Pallavi Court
Judges Court Road
Patna - 800004 (Bihar)

کوثر صدیقی

# ابو میاں ہمارے

یارب رہیں سلامت ابو میاں ہمارے
مشفق، شفیق محسن وہ مہرباں ہمارے

دنیا میں سب سے اچھے ابو میاں ہمارے
لختِ جگر ہم ان کے وہ جانِ جاں ہمارے

امی ہیں پیاری پیاری، ایثار کا نمونہ
کرتے ہیں پیار ہم سے یہ مہرباں ہمارے

ابا کے دم سے مہکا گلشن ہمارے گھر کا
ہم ان کے باغ کے گل وہ باغباں ہمارے

اسکول لے کے جاتے واپس بھی لے کے آتے
گھمواتے پارک میں بھی ابا میاں ہمارے

ہم بہنوں بھائیوں پر، ماموں پہ اور پھپھی پر
سب پر ہی مہرباں ہیں وہ مہرباں ہمارے

بادل ہیں وہ کرم کا رحمت کی وہ گھٹا ہیں
یارب رہیں سلامت ابو میاں ہمارے

{تعارف مارچ 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں}

■

**Kausr Siddiqui**
79-A, Ginnori Main Road
Bhopal - 462001 (MP)

عطاء الرحمٰن طارق

# پیچھے پہاڑوں کے...

گل پوش وادی ہے
شادی ہی شادی ہے
پیچھے پہاڑوں کے
چھوٹا سا گاؤں ہے
آنگن میں چھاؤں ہے
پیچھے پہاڑوں کے
جھرنے جو بہتے ہیں
آداب کہتے ہیں
پیچھے پہاڑوں کے
پنچھی جو آتے ہیں
'گاہوں' گاتے ہیں
پیچھے پہاڑوں کے
بادل ہمکتے ہیں
ہم چھو بھی سکتے ہیں
پیچھے پہاڑوں کے
تصویر بانکی ہے
جنت کی جھانکی ہے
پیچھے پہاڑوں کے
ہر شے پہ جوبن ہے
سر سبز جیون ہے
پیچھے پہاڑوں کے

{تعارف مارچ 2021 کے شمارے میں شائع ہوچکا ہے}

■

**Ataur Rahman Tariq**
701/3A, Vijaya Co-op Hsg Society
Vaishali Nagar, K.K. Road
Mahalaxmi, Mumbai- 400011 (MS)
Mob.: 9773238043

نظم

# فوزان

ارمغان ساحل سہسرامی

ڈاکٹر محمد ارمغان ساحل کا تعلق سہسرام روہتاس (بہار) سے ہے۔ انھوں نے اردو میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ہے۔ مگدھ یونیورسٹی بودھ گیا بہار میں سمینار لائبریری کے انچارج کی حیثیت سے خدمات انجام دی ہیں۔ اب سبکدوش ہیں۔ ان کی شعری اور نثری تخلیقات 1968 سے بچوں اور بڑوں کے رسائل میں چھپتی رہی ہیں۔ غنچہ، پیام تعلیم، نور اور دیگر بچوں کے رسائل میں ان کی نگارشات شائع ہوتی رہی ہیں۔ 'سپنوں کا شیش محل' ان کے افسانوں کا مجموعہ ہے۔ بچوں کی نظموں اور کہانیوں کے کئی مجموعے زیر ترتیب ہیں۔ ان کی ایک نظم بہار اور بنگال کے نصاب میں بھی شامل ہے۔

فوزان ایسا پیارا لڑکا
جو ہے ماں کا راج دلارا
ہے اس کی ہر بات نرالی
خوش ہے اس سے دنیا ساری
رنگ بھی اس کا گورا نارا
کام بھی اچھا کرتا سارا
صبح سویرے اٹھتا ہے وہ
اٹھ کر پڑھتا لکھتا ہے وہ
ممی سے بھی وہ ہے ڈرتا
ڈیڈی کا بھی کہنا کرتا
ہر دن ہے اسکول وہ جاتا
پڑھا سبق ہر دم دہراتا

اپنی بڑی امی کا چہیتا
ان کی وہ ہر بات ہے سنتا
پھوپھی، خالہ کا بھی پیارا
ان کی ہے وہ آنکھ کا تارا
تھوڑا تھوڑا وہ ہے نٹ کھٹ
بہنوں سے بھی ہوتی کھٹ پٹ
ساحل بھی خوش ہوکر کہتا
فوزان اپنے گھر میں اچھا

■

**Dr. Armaghan Sahil Sahsarami**
Mohalla: Mandai Kishor Khan
Post: Sahsaram (Rohtas) 821115 (Bihar)
Mob.: 9430901110

فیض رتلامی

# سنسار کل یہ سارا بچوں تمھارا ہوگا

سنسار کل یہ سارا بچو! تمھارا ہوگا
چمکا ہوا ستارا بچو تمھارا ہوگا
پڑھ لکھ کے کچھ بنو گے سچائی پہ چلو گے
پیچھے رہے گی دنیا آگے کو تم بڑھو گے
تعلیم ہی سہارا بچو تمھارا ہوگا
سنسار کل یہ سارا بچو تمھارا ہوگا
تعلیم ایسی چابی کھولے ہر ایک تالا
پڑھ لکھ کے کام کرنا کوئی تو تم نرالا
اک کام کوئی پیارا بچو تمھارا ہوگا
سنسار کل یہ سارا بچو تمھارا ہوگا
انجینئر بنو گے اور ڈاکٹر بنو گے
پڑھ لکھ کے پیارے بچو تم باہنر بنو گے
ماں باپ کی دعا کا تم کو اشار ا ہوگا
سنسار کل یہ سارا بچو تمھارا ہوگا
جاؤ گے چاند پر تم تارے بھی توڑ لو گے
دھرتی سے اور گگن سے رشتے بھی جوڑ لو گے
دنیا کی بھی نظر میں یہ کام پیارا ہوگا
سنسار کل یہ سارا بچو تمھارا ہوگا
دنیا کو ہے بنانا کچھ کرکے ہے دکھانا
دنیا تمھاری ہوگی ہوگا یہ سب زمانہ
ہندوستاں کا بچہ دنیامیں پیارا ہوگا
سنسار کل یہ سارا بچو تمھارا ہوگا
تم کو یہاں ہدایت یہ فیض دے رہا ہے
بچوں ہمیں محبت یہ فیض دے رہا ہے
پڑھنے کے ماسوا اب کوئی نہ چارا ہوگا
سنسار کل یہ سارا بچو تمھارا ہوگا

{تعارف دسمبر 2020 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں}

■

**Faiz Ratlami**
48, Samta Nagar (Anand Colony)
Ratlam - 457001 (MP)
Mob.: 7879690200

# راستہ بھول گئی ہے

نظم

بلّی رستہ بھول گئی ہے
مت سمجھو اسکول گئی ہے

کہا تھا ماں نے بلّی رانی
ذرا نہ کرنا تو منمانی

کام ہے کچھ میں کر آتی ہوں
بس جنگل سے گھر آتی ہوں

ابھی تو تم ہو بالکل چھوٹی
عمر بھی کچی عقل بھی موٹی

گھر سے مت تم آنا باہر
اس جنگل میں رہتے اجگر

نہیں یہ اچھے سب ہیں چالو
ہاتھی گیدڑ چیتا بھالو

جنگل بھی یہ بڑا گھنا ہے
تمھیں نکلنا یہاں منع ہے

پر جیسے ہی ممی نکلی
ویسے باہر آگئی بلی

دور تلک وہ چل کر آئی
جنگل خوب اچھل کر آئی

شام ہوئی تو گھر تھا جانا
پر رستہ تھا وہ انجانا

نہیں ملا گھر لگی وہ رونے
کدھر کو جائے اب وہ سونے

یاد اسے ممی کی آئی
اپنی کرنی پر پچھتائی

{تعارف فروری 2021 کے شمارے میں شائع ہوچکا ہے}

■

**Dr. Zeaur Rahman Jafri**
Hindi Department
Mirza Ghalib College
Gaya - 823001 (Bihar)

نظم

تبسم سحر

برکھا رانی، برکھا رانی
کیوں کرتی ہو تم من مانی

ندیاں جھیلیں سوکھ گئیں
گھاس اور فصلیں سوکھ گئیں

پیڑ اور پودے ہو گئے عریاں
کپڑا دینا کہاں ہے آساں
پھول اور پھل کا نام نہیں ہے
مزدوروں کو کام نہیں ہے

کہاں سے لائیں تازہ سبزی
کیسے کھائیں دال اور روٹی
بازاروں میں بڑھی گرانی
ہونے لگی ہے نقل مکانی
چڑیاں مینا طوطے کوے
دانے دانے کو ہیں ترسے
پیڑوں سے بھی چھن گیا سایا
یارب! موسم کیسا آیا

گائیں، بھینسیں کیا کھائیں گی
کھیت ہیں سوکھے، کیوں جائیں گی
گھاس نہ جب تک بن میں آئے
دودھ کہاں سے تھن میں آئے
گرمی اپنی شدت پر ہے
حشر کے میداں کا منظر ہے
خاک اڑائیں سارے رستے
خوشیاں مہنگی، غم ہیں سستے
ہاتھ تھکے سب کر کے دعائیں
لے کے شکایت، اب کہاں جائیں
بھیج دے مولا ابر کرم کو
جو کم کر دے سب کے غم کو
شکر ترا ہم ادا کریں گے
اب نہ تجھ کو خفا کریں گے

■

**Tabassum Sahar**
12, Novel Hieghts, In Front to Datta Mandir
Delta Roya, Pakhal Rd
Nasik - 422011 (MS)
Mob.: 8888315125

فہیم احمد

نظم

# جناب گرگٹ

رنگ بدلتے ڈھنگ بدلتے
لو آئے، جناب گرگٹ

بڑا عجب ہے طور طریقہ
تم نے کھینچا دھیان سبھی کا
رنگ بدلنا کیسے سیکھا

بن جاتے ہو پل میں کیسے
گیندا سے گلاب گرگٹ؟
لو آئے، جناب گرگٹ

کنچے سی آنکھیں مٹکاتے
اپنی لمبی پونچھ ہلاتے
دیکھ ہمیں ہو کیوں چھپ جاتے
کتنے کیڑے ہضم کیے ہیں
دو مجھ کو جواب گرگٹ؟
لو آئے، جناب گرگٹ

مجھے نہ تم ایسے بہکاؤ
اسی رنگ میں واپس آؤ
سیکھا کھیل کہاں، بتلاؤ
کیا تم کو اب جادوگر کا
دے دوں میں خطاب گرگٹ؟
لو آئے، جناب گرگٹ

■

**Dr. Faheem Ahmad**
Asst. Prof., Dept of Hindi
Mahatma Gandhi Memorial( P.G.) College,
Chaudhary Sarai,
Sambhal -244302 (UP)

نظم

علیزے نجف

# پیڑ پودے

آؤ پودوں سے پیار کرتے ہیں
فائدے سب شمار کرتے ہیں

ان پہ بیشک ہے زندگی کا مدار
یہ ہیں زندہ نہ دو انھیں آزار

ان کے ہونے سے ہی ہے ہریالی
دھیان رکھتا ہے ان کا ہر مالی

ان کے دم سے ہی ملتی صاف ہوا
آکسیجن سے بھر دیں ساری فضا

ان کی قسمیں جہاں میں لاتعداد
جب بھی دیکھا انھیں ہوا دل شاد

پھول اگاتے ہیں پھل بھی دیتے ہیں
یہ ہمارے لیے تو جیتے ہیں

ساری آسائشیں انھیں سے ہیں
کتنے پیارے ہیں بے غرض سے ہیں

پیڑ پودے کبھی نہ تم مسلو
زندہ رہنا ہے ان کا حق بچو

بے سبب تم انھیں جو کاٹو گے
زد میں آلودگی کی آؤ گے
یہ تقاضہ ہے آگہی کا اب
پیڑ پودے لگائیں گے ہم سب

خود کے جیسا رکھیں گے ان کا خیال
ہے بغیر ان کے اپنا جینا محال

اِن کو دل سے عزیز تم رکھو
میرا کہنا ہے بس یہی بچو

■

**Alizey Najaf**
Mir Hasan Road
Pathan Tola Saraimir
Azamgarh - 276305 (UP)

قمر جمالی

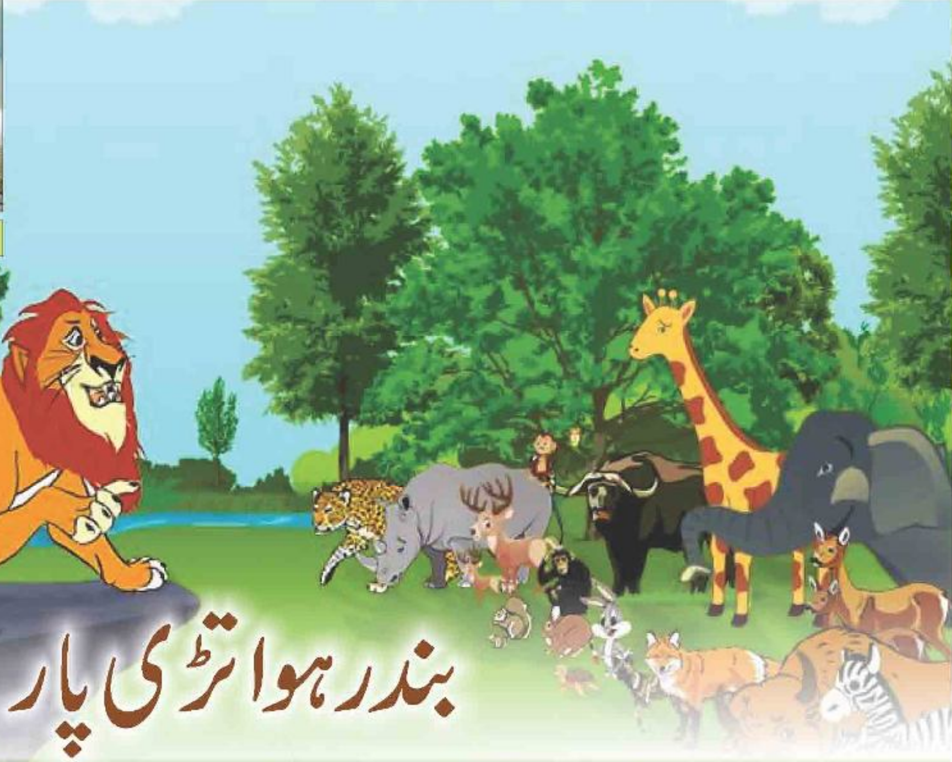

# بندر ہوا تڑی پار

**ایک جنگل میں** تمام جانور: شیر، ببر، لومڑی، لکڑ بگّا، ہاتھی، ہرن، بندر، گائے اور تمام چڑیاں، طوطا، مینا، کبوتر، کوّے، مور، سب مل جل کر رہتے تھے۔ جنگل میں جنگل کے راجا یعنی شیر کا حکم چلتا تھا۔ قانون تھا کہ تمام گوشت خور جانور ندی کی دوسری طرف کے جانور کا شکار کر سکتے ہیں، مگر اپنے علاقے کے کسی جانور کو تکلیف نہیں پہنچا سکتے، الٹا جنگل کا راجہ خود اپنی کمزور رعایا کی غذا کا انتظام کرتا، ان ہی میں ببر بھی تھا جو کافی ضعیف تھا اور چل پھر نہیں سکتا تھا۔

جنگل بہت ہرا بھرا تھا اس لیے وہاں سبزی خور جانوروں کو غذا کی کوئی تکلیف نہ تھی۔ جنگل کے کنارے ایک ندی بہتی تھی جو کافی لمبی تھی اور ہمیشہ پانی سے لبریز رہتی تھی۔ جنگل کے تمام جانور ایک ہی گھاٹ سے پانی پیتے، کسی کو کسی سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ ندی کا چھل چھل بہتا پانی کنارے کنارے تک ہلکورے کھاتا۔ اس لیے چھوٹے سے چھوٹا جانور بھی شکم سیر ہو کر پانی پیتا۔ جنگل میں بڑا بھائی چارا تھا۔ سب ہنسی خوشی زندگی گذار رہے تھے۔

ایک مرتبہ جنگل میں سوکھا پڑا۔

ایک طویل مدت تک بارش نہ ہوئی۔ درخت سوکھنے لگے۔ ہرا بھرا جنگل پہلے زرد پڑ گیا۔ پھر بھورا ہوا اور آخر میں سوکھ گیا۔ درخت کے پتے سوکھ کر گر گئے اور درخت سوکھی ٹہنیوں کے ساتھ لُنڈ مُنڈ رہ گئے۔ چھل چھل بہتی ندی کا پانی سوکھ کر ایک چھوٹے تالاب جیسا ہو گیا۔ جانوروں میں چارے کا قحط پڑ گیا۔ چھوٹے چھوٹے بچے اور کمزور جانور بھوک مری سے مرنے لگے۔ پھر بھی جنگل کا راجہ اپنی رعایا کی ہمت افزائی کرتا اور گوشت خور جانوروں کا کسی نہ کسی طرح پیٹ بھرنے کی کوشش کرتا۔ جنگل کی رواداری قانون کے مطابق راجا نے ایک وقتِ مقررہ پر تمام جانوروں کو ایک ساتھ پانی پینے کا حکم صادر کیا تا کہ سب کو پیٹ بھر پانی مل سکے۔

ایک دن ایسا ہوا—

بندر بھی اپنی پیاس بجھانے گھاٹ پہنچا۔ وہاں اتنے جانور جمع تھے کہ بندر ادھر دوڑا اُدھر بھاگا مگر اسے کسی بھی طرف سے پانی پینے کا موقع نہ ملا۔

کچھ دن ایسے ہی گزرے۔ مگر کب تک چلتا—! بھوک پیاس نے جانوروں میں بے چینی پیدا کر دی۔ کیونکہ اس کائنات میں بھوک سے بڑا کوئی شیطان نہیں۔ بھوک اور پیاس کسی بھی جاندار سے کچھ بھی کروا سکتے ہیں یعنی کسی بھی طرح کا گناہ۔

پھر کیا تھا—

جنگل کے جانوروں میں قانون کی اہمیت ختم ہوگئی اور جانور 'قانون برائے زور آور' یعنی (Survival of the fittest) کی پیروی کرنے لگے۔

بندر پہلے ہی چھوٹا جانور۔ اوپر سے بھوک اور پیاس نے اُسے اور بھی چھوٹا بنا دیا۔ بندر نے سوچا کہ، وہ پہلے ہی قد میں چھوٹا ہے۔ وہ ان قد آوروں کے ساتھ زور آزمائی نہیں کر سکتا۔ کیوں نہ کسی قریب کے گاؤں میں قسمت آزمائی کی جائے۔ یہ سوچ کر وہ منہ اندھیرے جنگل سے نکل گیا۔

دو تین گھنٹے کے بعد وہ قریب کے ایک گاؤں میں پہنچ گیا۔ صبح کا وقت تھا۔ سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ بندر ایک گھر کے دروازے پر پہنچ کر فریاد بھری نظروں سے دیکھنے لگا کہ کوئی اس کی کمزور جسامت پر ترس کھا کر ایک روٹی کا ٹکڑا اور تھوڑا پانی دے دے۔

مگر—

جوں ہی ایک چھوٹے بچے کی نظر بندر پر پڑی وہ زور سے چلّا اُٹھا—

''بندر آیا—''

پھر کیا تھا—!

گھر کے تمام لوگ ہاتھوں میں لکڑیاں لیے اس کے پیچھے پڑ گئے۔ بندر نے ایک دیوار سے دوسری دیوار، ایک چھت سے دوسری چھت پر کودتے ہوئے اپنی جان بچائی۔ اس نے سن رکھا تھا کہ انسان بہت رحم دل ہوتے ہیں۔ کسی کو بھوکا رہنے نہیں دیتے۔ مگر اس کا تجربہ تو الٹا نکلا۔ جہاں بھی گیا سوائے مار پیٹ کے اسے کچھ نہ ملا۔

''چوری کی جائے—!''

یہ خیال بجلی کے کوندے کی طرح اس کے دماغ میں آیا۔

مگر وہ اس جنگل کا واسی تھا جہاں کے قانون میں چوری کرنا سکھایا ہی نہیں گیا تھا۔ اس طرح یہاں وہاں چھپتے چھپاتے دو دن گذر گئے۔ آخر تھک ہار کر اس نے جنگل کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا۔ ابھی کچھ دور ہی چلا ہوگا کہ اسے املی کے درختوں کا ایک گھنا جُھنڈ دکھائی دیا۔ وہ کچھ دیر ٹھنڈی چھاؤں میں ستانے کے لیے ایک گھنے درخت کے نیچے لیٹ گیا۔

یکا یک اس کی نظر ایک گھنے درخت کے نیچے بیٹھے ایک سادھو پر پڑی جو مرگ چھالہ پر آنکھیں موندے بیٹھا ہاتھ کے نیچے یوگا ڈنڈا رکھے جاپ کر رہا تھا۔ لوگ ایک کے بعد ایک آتے، کچھ پھل وغیرہ اس کے سامنے رکھتے، اس کے آگے تعظیم سے جھکتے، پاؤں چھوتے اور چلے جاتے۔ بندر لیٹے ہی لیٹے کبھی ایک آنکھ کھلی رکھ کر تو کبھی دوسری' اور کبھی دونوں کھلی آنکھوں سے اُسے دیکھتا رہا اور تعجب کرتا رہا کہ انسان بھی عجیب مخلوق ہے! وہ جو کچھ مانگ نہیں رہا ہے اسے اتنی عزت سے اتنا کچھ دے رہے ہیں کہ وہ کھا بھی نہ پائے۔ اور جو اُن کے دروازے پر فریاد لے کر گیا اُسے تو مار مار کر ادھ مُوا کر دیا۔ اس سے تو جنگل ہی بھلا۔ کچھ تو مل ہی جائے گا۔

یہ سوچ کر بندر اُٹھ کھڑا ہوا۔ مگر کمزوری کے مارے اس

کے پاؤں کانپنے لگے۔اس نے ہمت کی اور بدن جھاڑ کر وہاں سے چل نکلا۔ابھی کچھ دور ہی چلا ہوگا کہ گاؤں کے ختم پر اُسے ایک گھر دکھائی دیا جہاں بڑی بڑی کڑاہیاں باہر کھلی رکھی ہوئی تھیں۔ بندر کی آس بندھی کہ ضرور کچھ کھانے کو ملے گا۔ بڑی اُمید سے جب وہ وہاں پہنچا تو دیکھا بڑی بڑی کڑاہیاں کھلی پڑی تو تھیں مگر کسی میں کچھ لال رنگ کسی میں پیلا اور کسی میں اُودا رنگ پڑا تھا۔ دراصل وہ ایک رنگ ریز کا کارخانہ تھا۔ کچھ بڑی بڑی کپڑے کی تھانیں زمین پر سوکھنے کے لئے بچھائی گئی تھیں۔ بندر کھڑا یہ سب تماشہ دیکھ رہا تھا کہ رنگ ریز وہاں پہنچ گیا۔ جیسے ہی اس کی نظر بندر پر پڑی وہ چلانے لگا۔

''بندر آیا— بندر آیا— ارے کوئی مدد کرو ورنہ یہ کپڑے اٹھا کر لے بھاگے گا۔''

دیکھتے ہی دیکھتے بہت سارے لوگ ہاتھوں میں ڈنڈے لیے نمودار ہوئے۔ بندر مارے گھبراہٹ کے اِدھر اُدھر پھدکنے لگا اور اُودی رنگ کی کڑاہی میں گر پڑا۔ رنگ ریز کو موقع مل گیا۔اس نے ایک زور کا ڈنڈا پیٹھ پر رسید کیا۔ بھوک سے ادھ موا تو تھا۔ بندر تلملا اُٹھا۔ مگر ہمت کر کے اُٹھا اور اُچک کر دیوار پر چھلانگ لگادی۔ کچھ دیر بعد جب سب لوگ وہاں سے جا چکے تو اس نے وہاں سے جنگل کا رخ کیا۔

بندر نے سوچا۔

''اپنا دیس اپنا ہی ہوتا ہے۔ ہجرت کر کے کیا ملا! سوائے بے عزتی کے۔ گرتے پڑتے شام ہونے سے قبل وہ اپنے جنگل میں پہنچ گیا۔ مگر...... اسے اس وقت حیرت ہوئی جب راستے میں اُسے جو بھی ملا بجائے اس کی خیر خیریت پوچھنے کے اس پر قہقہے مار کر ہنسنے لگا۔ بندر کو بڑی شرمندگی محسوس ہوئی۔ وہ سیدھے ندی کی گھاٹ پر پہنچا تا کہ پیٹ بھر پانی پی کر جی بھر کے سو یا جائے۔

سہ پہر کا وقت تھا۔ ہوائیں تھمی ہوئی تھیں۔ ندی کی لہریں خاموش تھیں اور ندی بڑی شانت تھی۔ آس پاس کوئی نہ تھا۔

مگر......

پانی پینے کے لیے جوں ہی اس نے سر جھکایا' چیخ مار کر پیچھے ہٹ گیا۔ اسے لگا کوئی اس کے پیچھے سے جھانک رہا تھا۔ مارے خوف کے وہ سیدھا کھڑا ہوگیا۔ گردن گھما گھما کر اطراف نظریں دوڑائیں' وہاں کوئی نہ تھا۔ دراصل وہ اپنے ہی عکس سے ڈر رہا تھا، اس نے ہمت کی اور دوبارہ ندی میں جھانکا۔ کوئی انتہائی بدصورت کالا بھجنگ اس کے اوپر سے جھانک رہا تھا۔ وہ پھر کھڑا ہوگیا اور اطراف میں دیکھ کر تسلی کرلی۔ اس بار اس نے سوچا کہ وہ خواہ مخواہ ہی خوف زدہ ہو رہا ہے۔ اس نے فیصلہ کُن انداز میں ندی میں جھانکا۔ تب اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے ہی عکس سے خوف زدہ ہو رہا تھا، اسے یاد آیا کہ وہ اِسی رنگ کی کڑاہی میں گر گیا تھا۔ تب اسے سارا ماجرا سمجھ میں آگیا کہ اس کے علاقے کے لوگ اُسے دیکھ کر کچھ خوف زدہ کیوں ہوئے اور کچھ نے مذاق کیوں اڑایا۔

کچھ دیر وہ یوں ہی کھڑا سوچتا رہا۔ پھر سوچا......

''چلو خوب رگڑ رگڑ کر نہا لیتے ہیں تا کہ یہ رنگ اُتر جائے۔''

مگر...... جیسے ہی وہ پانی کی طرف بڑھا اُسے املی کے جھنڈ میں بیٹھے وہ سادھو بابا یاد آئے۔

اس نے سوچا۔

''کیوں نہ اس حلیے سے فائدہ اٹھایا جائے— زندگی سہل ہو جائے گی۔ کہتے ہیں گھی اگر سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو انگلی ٹیڑھی کرنی پڑتی ہے۔ اگر اتنی آسانی سے انسانوں کو بے خوف بنایا جاسکتا ہے تو پھر— یہ تو معصوم جانور ہیں۔''

اس نے نہانے کا ارادہ ترک کر دیا اور ندی کے کنارے ایک گھنے درخت کے نیچے مٹی کا ڈھیر سا بنا کر اسے گوبر سے لیپ پوت کر چبوترہ سا بنایا۔ ندی کے کنارے پڑیں کچھ ہڈیاں اٹھا لایا۔ کچھ چوڑے چوڑے پتوں کو جوڑ کر ان کا چھالہ بنایا۔ ان ہڈیوں میں سے دو ہڈیاں چُن کر کانوں میں پہنیں اور قدرے لمبی ہڈی یوگا ڈنڈا کی طرح ہاتھ کے نیچے سہارے کے لیے کھڑا کیا اور آنکھیں موندے، آسن مار کر بیٹھ گیا اور منہ ہی منہ جاپ کرنے لگا۔

اب ہر طرف شفق پھوٹنے لگی تھی۔ جنگل میں ہر طرف شنگرفی، سنہری روشنی پھیلنے لگی تھی۔ جانوروں کے پانی پینے کا وقت شروع ہو گیا تھا۔ ایک ایک کر کے سارے جانور اکٹھا ہونے لگے تھے۔ جوں ہی کچھ جانور گھاٹ تک پہنچ جاتے بندر ''خخ ...... خخ......'' کی آوازیں نکال کر انھیں متوجہ کرتا اور ڈراتا۔ انہیں اپنے پاس بلاتا اور کہتا......

''مجھے بھگوان نے یہاں بھیجا ہے۔ بھگوان نے مجھے درشن دیا ہے۔ تب ہی ان کے تیج سے میرا رنگ اُودا ہو گیا ہے۔ بھگوان نے مجھے اس ندی کی حفاظت کے لیے بھیجا ہے کہ میں یہاں بیٹھا جاپ کروں تاکہ ندی کا پانی کبھی نہ سوکھے۔ تم لوگ میری اجازت کے بغیر پانی نہیں پی سکتے۔ ورنہ سارا پانی زمین کھینچ لے گی اور ندی سوکھ جائے گی۔''

سارے جانور اس کے آگے جھک گئے اور لگے بلبلانے۔

''معاف کر دیجیے سوامی جی! ہمیں پتہ نہیں تھا۔ اجازت دے دیجیے بہت پیاسے ہیں۔''

''اس کے لیے تمھیں میرے لیے کوئی نذرانہ لانا ہوگا اور میری تعریف کرنی ہوگی۔ کیوں کہ میری تعریف کرنا بھگوان کی تعریف کرنے کے برابر ہے۔ بولو منظور ہے؟''

''منظور ہے—'' سب نے ایک آواز میں چلّا کر کہا۔

تب بندر نے ان سے کہا: ''سب مل کر ایک آواز میں میرے ساتھ دہراؤ۔''

''جی سوامی جی! جیسے آپ کہیں۔''

چاندی کا تخت اس پر سونے سے لیپا پوتا\
کانوں میں پہن ہیرے اک شاہ زادہ بیٹھا\
کہو—سوامی جی! تھوڑا پانی پینے دے دو۔''

سارا جنگل بندر کی تعریف سے گونج اٹھا۔ اب جو بھی جانور آتا کچھ نذرانے لے آتا۔ کوئی ایک کیلا، کوئی نارنگی، کوئی امرود، کوئی بیریاں لاتا، اس کے آگے جھکتا، اس کی تعریف کرتا، پیٹ بھر کے پانی پیتا اور چلتا بنتا۔

اب بندر کی دُکان اچھی چلنے لگی تھی۔ زندگی بڑی آسان ہو گئی تھی۔ اسے اپنی عقل پر بڑا ناز تھا۔ تب اس نے سوچا میں نے غلط سمجھا۔ ہجرت کو بُرا بھلا کہا۔ ہجرت ہمیشہ کامیابی کا ذریعہ ہی ہوتی ہے۔

اسی جنگل میں ایک لومڑی بھی رہتی تھی۔ وہ کئی دن سے یہ تماشہ دیکھ رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ یہ کوئی سوامی نہیں ہے بلکہ اسی جنگل کا باسی ہے۔ یہ معصوم جانوروں کو الو بنا رہا ہے۔ چونکہ مکروفریب میں لومڑی سے زیادہ تیز اور کوئی نہیں ہوتا، اس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ یہ ضرور اس بندر کی چال ہے اور ایک دن وہ اس کے مکر کا بھانڈا ضرور پھوڑے گی۔

اور ایک دن—

صبح سویرے لومڑی دوڑتے ہوئے آئی اور سوامی جی کو سلام مجرا کیے بغیر ہی ندی کے گھاٹ کی طرف دوڑنے لگی۔

''خخ ...... خخ......'' بندر نے آوازیں نکال کر لومڑی کو ڈرایا۔

لومڑی نے ڈرنے کی اداکاری کی اور سہمے ہوئے انداز

میں بندر کے قریب پہنچی اور کہا:

''معاف کرنا سرکار! بھول گئی تھی۔ بہت پیاس لگی ہے۔''

''نذرانہ کہاں ہے؟'' بندر نے ڈانٹ کر پوچھا۔

''لائی ہوں نا۔ یہ لیجیے۔'' لومڑی نے پیٹھ پر سے کیلے کی پھنّی اتار کر سوامی جی کے قدموں میں رکھی اور پلٹ کر گھاٹ کی طرف بھاگنے لگی۔

''خخ......خخ......'' بندر نے پھر اسے ڈرایا۔

لومڑی ڈری سہمی لوٹ آئی۔

''جی سرکار۔ حکم۔''

''تعریف کیے بنا اگر پانی کو منہ لگاؤ گی تو زمین سارا پانی کھینچ لے گی۔''

''سرکار! پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ گئے ہیں۔ تعریف کیا خاک کر سکوں گی۔ ذرا دو گھونٹ حلق سے اتار لوں پھر لہک لہک کر گاؤں گی۔''

''اچھا— ٹھیک ہے۔'' بندر نے اجازت دے دی۔

لومڑی دوڑتے ہوئے ندی پر گئی۔ پیٹ بھر پانی پیا اور ندی میں لوٹ پوٹ کر نہا دھو کر تازہ دم ہو گئی۔ کنارے کھڑے ہو کر جسم کا پانی سکھایا۔ پھر...... جتنی تیزی سے دوڑتی ہوئی آئی تھی اتنی ہی تیزی سے دوڑتی ہوئی جانے لگی۔

''خخ ...... خخ......'' بندر نے آوازیں نکال کر لومڑی کو ڈرایا۔

لومڑی الٹے پاؤں لوٹ آئی۔ نہایت ہی ڈری سہمی آواز میں کہنے لگی۔

''سرکار! میں بھی کتنی بے وقوف ہوں۔ آپ کی شکر گذار ہوں کہ آپ نے مجھے اجازت دی اور میں نے شکم سیر ہو کر پانی پیا۔ یہ بات بھول ہی گئی کہ آپ کی تعریف میں گیت گانی ہے۔''

پھر—

اس نے بڑے ہی ادب سے بندر کے سامنے ہاتھ جوڑے، دونوں کان پکڑے توبہ کیا۔ کھنکار کر گلہ صاف کیا اور لہک لہک کر باآواز بلند گانے لگی۔

''مٹی کا ڈھیر اس پر گوبر سے لیپا پوتا
کانوں میں پہن ہڈّی، اک باندرہ ہے بیٹھا
چل ڈھونگی بھاگ یہاں سے۔''

اتنا کہہ کر لومڑی تیزی سے مڑی اور ندی کی طرف بھاگنے لگی۔ بندر پہلے تو سٹپٹایا۔ پھر سمجھ گیا کہ یہ تو تعریف نہیں مذمّت کر رہی ہے۔ فوری اُٹھا اور لومڑی کی طرف لپکا۔

لومڑی تھی بڑی مکّار۔ یہ سب وہ بندر کو جال میں پھانسنے کے لیے کر رہی تھی۔ لومڑی نے پلان کے مطابق ندی میں چھلانگ لگا دی اور لگی ڈبکیاں لگانے اور الٹا پلٹا لوٹنے۔ وہ بندر کی خصلت سے خوب واقف تھی کہ بندر نقل کرنے کا عادی ہوتا ہے۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ اپنی عادت کے مطابق بندر ندی میں کود پڑا اور لومڑی ہی کی طرح ندی میں لوٹنے لگا۔

کچھ ہی دیر میں—

بندر کا سارا رنگ اُتر گیا اور وہ اصلی رنگ میں لوٹ آیا۔

لومڑی نے چیخ چیخ کر سارے جانوروں کو اکٹھا کر لیا۔ جنگل کا راجہ بھی آیا۔ تب لومڑی نے کہا۔

''مہاراج! جنگل کے قانون کے مطابق اِس جنگل کے واسی ایک دوسرے کو دھوکہ نہیں دیتے۔ مگر دیکھیے اس بندر نے کیا کیا—!!

اس نے معصوم جانوروں کو دھوکہ دیا۔ میں نے مجرم کو آپ کے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ اب سزا دینا آپ کا کام ہے۔''

جنگل کے بادشاہ نے بڑی بُردباری اور متانت سے

فیصلہ صادر کیا اور گرج دار آواز میں کہا۔

''اے جنگل کے معصوم واسیو! اس بندر نے جنگل کا قانون توڑا ہے۔ مگر اس سے نقصان مجھ سے زیادہ تم سب کو ہوا ہے۔ یہ مجھ سے زیادہ تمہارا گنہگار ہے۔ اسے جو سزا دینا چاہو دے سکتے ہو۔ میری طرف سے اجازت ہے۔''

اتنا کہنا تھا کہ تمام جانور اس پر ٹوٹ پڑے اور مار مار کر تڑی پار کر دیا۔

اب جنگل کے واسیوں کو اچھا سبق مل چکا تھا۔ پھر کسی نے قانون کی خلاف ورزی نہیں۔ جنگل میں جو بھی مل جاتا مل بانٹ کر کھا پی لیتے۔ باقی زندگی سب نے بڑے آرام سے گذاری، اور مل جل کر ہنسی خوشی رہنے لگے۔

Rules are made for the welfare.

They must be respected.

**مشکل الفاظ کے معنی:**

تڑی پار کرنا: (ہندی لفظ) کسی کو شہر، گاؤں یا ملک کے حدود سے باہر کرنا۔

ہجرت: اپنا وطن چھوڑ کر دوسرے مقام کو جانا۔

تیج: (ہندی لفظ) تجلی، روشنی

چھالہ: دراصل یہ لفظ مرگ چھالہ ہے، ہرن کی کھال، جو سادھو بچھا کر بیٹھتے ہیں۔

یوگا ڈنڈا: سادھو جب آنکھیں بند کر کے دھیان میں بیٹھتے ہیں تو ہاتھ کے نیچے ایک ڈنڈا سہارے کے لیے رکھتے ہیں۔

**{تعارف دسمبر 2020 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں}**

■

**Qamar Jamali**
H.No: 4-5, Himagiri Nagar Colony,
Gandamguda,
Hydershahkote (post),
Hyderabad. 500091(Telangana)

## *Subscription Form "Bachon Ki Duniya"*

## سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا رکن سالانہ خریدار بننا چاہتا رچاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر........................ بتاریخ........................

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرتعاون سالانہ -/100 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009 میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ........................................................................

پتہ : ........................................................................

........................................................................

........................................................................

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159, Email.: magazines@ncpul.in

دستخط

سلیم خان

# مینا کا پیغام

**گرمی** کا موسم بارش کو خوش آمدید کہہ رہا تھا، اور بارش، گرمی کو الوداع کہہ رہی تھی۔ وہ یوں کہ کبھی دوپہر میں تیز گرم ہوائیں چلنے لگتیں اور کبھی شام کو سرمئی بدلی چھا جاتی۔ مگر صبح سویرے ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں اور پرندوں کی چہکار سے موسم پُر کیف اور بڑا سہانا رہتا۔

ایک روز، میں جب مورننگ واک سے گھر لوٹا تو مجھے کمپاؤنڈ میں ایک جگہ کوڑا کرکٹ دکھائی دیا۔ میں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی، گیلری کے نیچے لگے اے۔سی آؤٹ ڈور یونٹ بکس کے پیچھے کچھ کوڑا کرکٹ جمع تھا۔ ''اچھا، تو یہاں گھونسلا بنانے کی تیاری ہو رہی ہے۔'' میں نے دل ہی دل میں کہا۔ اور پھر اسی وقت ایک لکڑی کے ذریعے اے۔سی بکس کے پیچھے جما ہوا کوڑا نکال کر ساری گھاس پھوس کوڑے دان میں ڈال دی۔

ناشتے کے بعد میں بازار جانے لگا، اس وقت بکس کے پیچھے سے ایک مینا چونک کر پھر سے اڑی اور سامنے کیبل پر جا بیٹھی۔ وہ بار بار میری طرف دیکھ رہی تھی۔ شاید اسے میرے جانے کا انتظار تھا۔ میں نے بکس کے پیچھے دیکھا مینا نے کچھ اور کوڑا جمع کر لیا تھا۔ میں نے ''ہُش'' کی آواز کے ساتھ تالی بجا کر اسے اڑا دیا۔ میں اسے یہ بات سمجھانا چاہ رہا تھا کہ وہ اپنا گھونسلا یہاں نہیں کسی اور جگہ بنائے۔

پھر جب میں بازار سے واپس ہوا، مینا کچھ اور تنکے جمع کر چکی تھی۔ ''ارے واہ، یہ تو بڑی دبنگ مینا ہے۔ بڑی تیزی سے گھونسلا بنانا چاہتی ہے۔ میں نے دیکھا سامنے کیبل پر نر اور مادہ دونوں ڈٹے ہوئے تھے۔ ''بیٹے عامر ذرا وہ لمبی لکڑی لانا۔!'' میں نے اپنے پوتے کو آواز دی۔

''جی، ابھی لایا دادا جان۔'' عامر نے خوشی خوشی لکڑی دیتے ہوئے پوچھا، ''کیا بات ہے دادا جان؟''

''ارے بیٹا، یہ مینا یہاں گھونسلا بنانے کی تیاری کر رہی ہے۔ دیکھو کتنا کوڑا اچھیل رہا ہے۔''

''دادا جان پرندے تو پیڑ پر گھونسلا بناتے ہیں، پھر یہ مینا یہاں کیوں بنا رہی ہے!؟'' ''ہاں بیٹا تم ٹھیک کہہ رہے ہو، لیکن مینا مکانوں کے آس پاس محفوظ جگہ گھونسلا بنانا پسند

کرتی ہیں۔ کیونکہ اکثر تیز طوفانی بارش اور ہوا میں گھونسلے گر جاتے ہیں۔''

''تو پھر رہنے دیجیے نہ دادا جان، ہم اس کے ننھے ننھے چوزے دیکھیں گے، میں ابو کے موبائل سے ان کے فوٹو کھینچوں گا۔''

''ہاں وہ تو ٹھیک ہے بیٹا، لیکن اے۔سی بکس میں گھاس پھوس جائے گی تو وہ خراب ہو جائے گا۔ اور یہ بہت مہنگی چیز ہے۔ ہم اسے اڑاتے رہیں گے تو وہ کسی اور جگہ گھونسلا بنا لے گی۔'' اور پھر ہم نے مینا کے جمع کیے ہوئے تنکے صاف کر دیے۔

اگلے دن میں بار بار دیکھتا رہا، اور مینا کے جوڑے کو اڑاتا رہا، پھر بھی موقع ملتے ہی وہ کوڑا کرکٹ لا کر رکھ دیتے اور میں یہ سوچ کر رہنے دیتا کہ تھوڑا کوڑا جمع ہو جائے گا تب ایک ساتھ صاف کر دوں گا۔ اُن دنوں، عامر کے ماموں کی شادی کی تقریب تھی۔ اگلے روز صبح سب جلدی جلدی جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ میں اپنی تیاری کرنے کے بعد، اے۔سی۔ بکس کی حفاظت کے لیے اس کی جالی پر پٹھا لگا رہا تھا۔ عامر کے ساتھ پوری فیملی میرے پاس آ گئی، ''ابو یہ کیا کر رہے ہیں آپ، رہنے دیجیے، بعد میں کر لیں گے'' ''ہاں ابو جلدی چلیے، دیر ہو رہی ہے۔'' عامر کے ممی پاپا کی گزارش پر میں نے فوراً اپنا کام ختم کیا۔ اور پھر ہماری کار ممبئی کے لیے روانہ ہو گئی۔

شادی کی دھوم دھام، کھانے پینے اور گھومنے پھرنے میں ایسے وقت گزرا کہ پتہ نہیں چلا، لیکن اس دوران بھی مجھے کبھی کبھی مینا کے گھونسلا بنانے کا خیال آتا ہی رہا۔ ہم ایک ہفتے بعد گھر لوٹے۔ میں گاڑی سے سامان نکالنے میں لگا ہوا تھا۔ عامر گیٹ کھلتے ہی، اے۔سی بکس کے پاس پہنچا۔ اور پھر دوڑتے ہوئے واپس آیا، ''دادا جان دادا جان، چلیے، مینا نے تو گھونسلا بنا لیا۔!''

''ہاں بیٹا، پہلے یہ سامان تو...''

''وہ، ممی پاپا اتار لیں گے۔'' عامر مجھے ہاتھ پکڑ کر لے گیا۔ ''یہ دیکھیے دادا جان،!''

''ارے ہاں، مینا نے تو بڑا مضبوط گھونسلا بنایا ہے۔''

''اب کیا کریں دادا جان۔!؟'' عامر نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ میں نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر جواب دیا، ''بیٹا، اب مینا کا گھونسلا مکمل ہو چکا ہے۔ ہوسکتا ہے اس نے انڈے بھی دے دیے ہوں۔ وہ ہماری مہمان ہو گئی ہے۔ اب ہمیں گھونسلا توڑنا نہیں اس کی حفاظت کرنی ہے۔'' یہ سن کر عامر کا چہرہ خوشی سے کھِل اٹھا، ''جی دادا جان، میں پورا خیال رکھوں گا۔ اور مینا کو خوب مزے مزے کی چیزیں کھلاؤں گا۔'' اسی اثنا میں مینا کمپاؤنڈ وال پر آ بیٹھی۔

''دیکھیے دادا جان مینا آ گئی۔''

''ہاں، تو پھر چلو اندر۔ مینا کو اپنے گھونسلے میں بیٹھنے دو۔ ہم ہاتھ منہ دھو کر تھوڑا آرام کرتے ہیں۔''

عامر سے نہ رہا گیا اور وہ تھوڑی دیر بعد پھر گھونسلے کے پاس پہنچ گیا۔ مینا گھونسلے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر اپنی گول مٹول آنکھوں سے عامر کو دیکھا۔ اور پھر سر جھکا لیا۔ عامر دوڑتا ہوا میرے پاس آیا، ''دادا جان مینا گھونسلے میں آرام کر رہی ہے۔''

''آرام نہیں بیٹا، شاید وہ انڈے سے رہی ہوگی۔''

''سے رہی ہوگی مطلب۔!؟''

''مطلب پرندے بچے نکالنے کے لیے انڈوں پر بیٹھ کر گرمی پہنچاتے ہیں، اسے 'انڈے سینا' کہتے ہیں۔''

''دادا جان گھونسلے میں کتنے انڈے ہوں گے۔؟''

''بیٹا، مینا چار پانچ انڈے دیتی ہے، اور انوکھی بات یہ ہے کہ اس کے انڈے نیلے رنگ کے ہوتے ہیں۔''

''ارے واہ، اور بچے کتنے دن میں نکلیں گے دادا جان۔؟''

''بچے نکلنے میں دس پندرہ روز لگتے ہیں بیٹا۔''

عامر سیدھا کلینڈر کے پاس پہنچا اور دن یاد رکھنے کے لیے تاریخ پر نشان لگا دیا۔ اور پھر تیاری کر کے اسکول چلا گیا۔

وہ روز اسکول آتے جاتے گھونسلے کی طرف دیکھتا رہتا۔ اسے مینا ہر وقت اپنے انڈوں کی نگرانی کرتی دکھائی دیتی۔ وہ مینا کے لیے روزانہ کمپاؤنڈ وال پر روٹی کے ٹکڑے، کھچڑی کبھی ابلے ہوئے چنے اور پیالے میں پینے کے لیے پانی، بڑی فکر سے رکھا کرتا۔ اور ایک ایک دن گنتا رہتا۔

وقت گزرتا رہا اور پھر ایک دن صبح چیں چیں کی آواز سن کر وہ اچھل پڑا۔ دوڑتا ہوا میرے پاس آیا، ''دادا جان انڈوں سے بچے نکل گئے، چار بچے نکلے ہیں۔!!'' ''اچھا تم نے کیسے گن لیے۔!؟''

''مینا انھیں کچھ لا لا کر کھلا رہی ہے، جب مینا آتی ہے چاروں بچے گردن اونچی کر کے اپنا منہ کھول دیتے ہیں۔ اور پھر عامر کے اصرار پر میں نے بھی مینا کے بچوں کا دیدار کیا۔

عامر نے اپنی ڈرائنگ کاپی میں گھونسلے میں بیٹھی ہوئی مینا کی تصویر بنائی اور اسے مناسب رنگوں سے پینٹ کیا۔ پھر جب ابو دفتر سے آئے اس نے سیڑھی پر کھڑے ہو کر موبائل سے 'بچوں کو کھلاتی ہوئی' مینا کی ویڈیو شوٹنگ کی۔ کچھ دیر تک وہ اپنا بنایا ہوا پیار بھرا ویڈیو دیکھتا رہا۔ پھر دادی جان، ممی پاپا سب کو دکھا کر خوب داد وصول کی۔ اس نے اپنے چاچا، ماموں اور عرفانہ باجی کو بھی پینٹنگ اور ویڈیو شیئر کیے۔ سب نے لائک کیا اور اسے very good واہ چھوٹے حسین صاحب nice photo graphy جیسے کومینٹ سے نوازا۔

رات کو گھر کے سب لوگ ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، عامر نے جب مجھے واٹس ایپ میسج پڑھ کر سنائے تو میں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا،''بیٹا عامر تم سے مینا کے بارے میں ایک سوال پوچھتا ہوں۔ سوچ سمجھ کر جواب دینا۔''

''جی، دادا جان۔''

''مینا اپنے مقصد میں کیوں کامیاب ہوگئی۔؟''

میرے اس سوال پر سب متوجہ ہو گئے۔ عامر نے فوراً جواب دیا،''دادا جان ہم لوگ ماموں جان کی شادی میں گئے تھے۔ اس وقت مینا کو گھونسلا بنانے کا سنہرا موقع مل گیا۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا،'' ٹھیک ہے بیٹا، لیکن یہ ظاہری وجہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے ڈرانے اور گھونسلا توڑتے رہنے کے باوجود مینا برابر گھونسلا بناتی رہی۔ بیٹا، یہ تھی اس کی خود اعتمادی اور لگن۔ جس کی وجہ سے وہ گھونسلا بنانے میں کامیاب ہوگئی۔'' عامر ممی پاپا کا منہ دیکھنے لگا۔ پاپا نے کہا،''ہاں بیٹے دادا جان بالکل صحیح کہہ رہے ہیں۔ مینا کے گھونسلا بنانے کا یہ واقعہ ہمیں یہی پیغام دیتا ہے کہ کوشش اور لگن والے کبھی ناکام نہیں ہوتے۔''

عامر لاجواب ہوگیا،''ابو، یہ تو بڑا اہم پیغام ہے، ان شاء اللہ اس پر میں بھی ہمیشہ عمل کروں گا۔''

''شاباش بیٹے، یہ ہوئی نا بات۔'' اور میں نے عامر کو بانہوں میں بھر لیا۔

{تعارف مارچ 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں}

■

**Saleem Khan Ismail Khan**
Millat Nagar
Faizpur- 425503
Distt:Jalgaon(Maharashtra)
Mob: 9730573897

کہانی

پرویز احمد یعقوبی

# دوستی

"میں ٹھیک تو ہو جاؤں گا نا؟"

ادھ پکے بالوں اور بکھری ہوئی داڑھی والے شخص نے آنکھیں بند ہونے سے قبل کہا۔ اس کی آنکھیں نیند یا پھر دواؤں کے اثر سے بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔

طلعت نے جب اثبات میں سر ہلایا تو ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے سوکھے لبوں پر پھیل گئی۔ طلعت نے اس کے بالوں کو سہلایا اور کچھ دیر اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر رہنے دیا اور مطمئن ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اب جلیل ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ آنکھیں بند کیے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے سوچنے لگا۔

"کتنا فرق ہے پہلے کے اور آج کے جلیل میں۔"

روزانہ کی طرح اس روز بھی محسن اپنے ساتھیوں کے ساتھ بس میں سوار تھا۔ اسٹیشن چوک سے گزرتے ہوئے اس کی نظریں ایک شخص پر رکی جو بیڑی کے لمبے لمبے کش لگا رہا تھا، دبلا پتلا، سادے سے کپڑوں میں ملبوس، داڑھی بڑھی اور بکھری ہوئی، نہ جانے کن خیالوں میں گم ادھر ادھر ٹہل رہا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اکثر بس اسٹاپ، اسٹیشن یا ہوٹلوں کے آس پاس اس طرح کے لوگ نظر آتے ہیں۔ جو خود سے بیگانے ہوتے ہیں دنیا و مافیہا سے بے خبر۔ محسن کسی سوچ میں گم ہو گیا۔

"السلام علیکم۔"

"پہچانا مجھے۔" محسن نے سلام کے بعد پوچھا۔

"آج کل کیا مصروفیات ہیں؟" محسن نے جلیل سے پوچھا۔

"وعلیکم السلام۔"

"ہاں کیوں نہیں۔" سلام کا جواب دیتے ہوئے جلیل نے کہا۔

"بس، مزدوری کرتے ہیں بھائی۔" جلیل نے کہا۔

"مجھے دس روپے چاہیے ناشتہ کرنا ہے۔" جلیل نے بلا جھجھک محسن سے مطالبہ کیا۔

"آج تو کوئی بھی کام نہیں ملا ہے۔" جلیل نے کہا۔ محسن نے ایک دس کا نوٹ اس کے ہاتھوں میں رکھا اور وہ آگے بڑھ

گیا۔ ہفتے میں ایک آدھ ملاقات ہو جاتی تھی ان دونوں کی۔

تیس برس ہو گئے اسکول سے نکلے ہوئے، تلاش معاش میں سب اپنی اپنی راہ ہو لیے۔ دوستوں میں کوئی ڈاکٹر بن گیا، کوئی ٹیچر، انجینئر یا پھر اپنے آبائی کاروبار میں لگ گیا۔ لیکن اکثر اس بیچ کے لوگ کمزور ہی رہے اور مختلف قسم کی مزدوری اپنا لی۔ وقت نے ایسا چکر دیا کہ لوگوں کے تعلقات منقطع ہو گئے۔ برسوں ملاقات نہیں ہوتی۔ عید، بقرعید میں کہیں آمنا سامنا ہو تو ہو۔ بعض دفعہ کوئی بغل سے گزر جاتا اور اپنے پن کا احساس تک نہیں ہوتا۔ مصروفیات کے گرداب میں ایسے پھنسے کہ اپنے اور بیگانوں کا لحاظ ہی نہ رہا۔

محسن، شاہد، طلعت، نیاز، جاوید اپنی باتوں میں مصروف تھے، ایک دوسرے کی ہنسی مذاق ان کا روز کا معمول تھا، بچپن کے دوست تھے یہ سارے۔ اکثر کسی دوست سے ملاقات ہو جائے تو اس کا ذکر اپنے گروپ میں ضرور کرتے۔

”ارے سنو نا!“

”آج جلیل سے ملاقات ہوئی تھی۔“ طلعت نے کہا۔

”بڑا مفلوک الحال ہے بیچارہ۔“ طلعت نے بتایا۔

”اچھا۔ کہاں ملا۔“ شاہد نے پوچھا۔

”ہمیشہ کی طرح وہیں، اسٹیشن روڈ پر بیڑی پھونکتے کھڑا تھا۔“ طلعت نے جواب دیا۔

”ہاں یار بہت پریشان رہتا ہے۔“ شاہد نے کہا۔

”اس کے ساتھی بھی تو دوسری طرح کے لوگ ہیں۔“

”پتہ نہیں کیا کام کرتا ہے۔“

”مجھے تو کچھ ڈاؤٹ ہوتا ہے اس پر۔“

”کسی غلط کام میں ملوث نہ ہو۔“ شاہد نے اظہار خیال کیا۔

آج جس جلیل کو طلعت نے دور سے دیکھا تھا وہ کچھ الگ سا تھا۔ بے چین، الجھا ہوا، کسی کا منتظر۔ نہ جانے کیا چل رہا تھا اس کے دماغ میں۔ بدحواس سا ادھر ادھر ٹہلتا ہوا۔ معمول کے مطابق سڑکوں پر ٹریفک اپنی رفتار سے جاری تھا۔ اسٹیشن روڈ پر اکثر مسافر ہی ہوتے ہیں جو اپنی منزل پر پہنچنے کی تگ و دو میں مصروف ہوتے ہیں۔ کچھ مقامی غریب ہوتے ہیں جو مزدور اور خوانچہ فروش ہوتے ہیں۔ طلعت بھی معمول کے مطابق اپنی بائیک پر سوار اس راہ سے گزر گیا۔

”السلام علیکم۔“ طلعت نے شاہد کی دکان پر پہنچتے ہی زور سے سلام کیا۔

”وعلیکم السلام۔“ شاہد نے جواب دیا۔

”ارے جناب! اس وقت کیسے؟“ شاہد نے تعجب سے پوچھا۔

”کچھ نہیں، تحصیل آفس میں کوئی کام تھا۔ ابھی وقفہ ہے اور کام باقی اس لیے آپ سے ملنے آگیا۔“ طلعت نے تفصیل بتائی۔

”اور سناؤ دو دن سے ملاقات نہیں ہوئی۔“ شاہد نے کہا۔

”ہاں یار مصروفیت دم نہیں لینے دیتی۔ آج کچھ وقت تھا سوچا تحصیل کا کام نمٹا لوں۔ آدھے گھنٹے بعد پھر جانا ہے۔“ طلعت نے کہا۔ چائے وغیرہ سے فراغت کے بعد وقت ہو چلا تھا۔ طلعت نے شاہد سے اجازت لی اور تحصیل آفس کے لیے روانہ ہو گیا۔

”ٹرن ٹرن ٹرن۔“ شاہد کے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ طلعت کا فون تھا۔

”ہیلو!“ شاہد نے فوراً فون اٹھایا۔

”شاہد بھائی! یہ آگے والے چوک پر جو دارو کی بھٹی ہے نا، وہاں ایک مرڈر ہو گیا ہے۔“ طلعت نے ہانپتے ہوئے عجلت

میں کہا۔

''کیا بات کر رہے ہو۔ کس کا مرڈر ہو گیا؟'' شاہد نے سوال کیا۔

''مجھے تو جلیل جیسا نظر آرہا ہے۔ زخمی حالت میں پڑا ہوا ہے۔ یہاں بہت سارے لوگ ہیں۔ مارنے والے بھاگ گئے ہیں اگر تم جلدی آجاؤ تو...'' طلعت نے جلدی جلدی بتانے کی کوشش کی۔

''میں ابھی آرہا ہوں۔'' شاہد نے کہا اور فون رکھ دیا۔

''کہاں ہے۔'' شاہد نے پہنچتے ہی کہا۔

''وہ رہا۔'' طلعت نے کہا اور دونوں آگے بڑھے۔ پولس کی موجودگی میں دو تین افراد اسے سہارے سے اٹھا کر رکشہ میں ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ بری طرح زخمی تھا۔

''اسے میونسپل ہسپتال لے جاؤ اور اس کے گھر والوں کو خبر کر دو۔'' ایک کانسٹیبل نے کہا۔

''ہیلو!'' فون اٹھاتے ہی محسن نے کہا۔

''وہ جلیل بھائی گھر آگئے ہیں۔ کب چلنا ہے ملنے کے لیے؟'' طلعت نے پوچھا۔

''شام میں چلتے ہیں، امین، شاہد کو بھی خبر دے دو۔'' محسن نے جواب دیا۔

''جی۔'' طلعت نے کہا اور فون رکھ دیا۔

''السلام علیکم بھائی۔'' طلعت نے جلیل کو دیکھتے ہی سلام کیا۔

''آؤ آؤ۔ اور کون آیا ہے؟'' جلیل نے کمزور سی آواز میں استقبال کیا۔ کمرے میں ایک کمزور سی لائٹ جل رہی تھی۔ دو تین بچے موبائل لیے مصروف تھے۔ دوسرے کمرے میں دروازے پر بیوی بیٹھی پنکھا جھل رہی تھی۔

''ہم لوگ ہیں۔ شاہد، محسن، امین، جاوید وغیرہ۔''

طلعت نے بتایا۔

''بچو! ادھر جاؤ، جگہ خالی کرو۔'' جلیل نے کہا۔

''آؤ بھئی! بیٹھو۔'' جلیل نے کہا۔

''اب کیسے ہو؟'' طلعت نے پوچھا۔

''اللہ کا کرم ہے بھائی۔ ٹھیک ہوں۔ بس تھوڑی تکلیف ہے، زخم میں۔'' جلیل نے بتایا۔

''اچھا۔ جلیل بھائی یہ ہوا کیسے؟'' شاہد نے معاملہ جاننے کی کوشش کی۔

''اب کیا بتاؤں بھائی۔ تم تو سارے حالات جانتے ہو۔''

''میرے ساتھیوں نے وہاں ملنے کے لیے بلایا۔ میری تھیلی چھین کر اس کی تلاشی لی۔ ان کے مطلب کی چیز نہیں ملنے پر میرے ساتھ ہاتھا پائی شروع کر دی۔ ایک نے اوزار نکالا اور مجھ پر حملہ کر دیا، وہ نشے کی حالت میں تھا۔'' جلیل نے واقعہ یاد کرنے کی کوشش کی۔

''میرے شانے سے خون نکلتا دیکھ وہ گھبرا گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ دونوں کے جانے کے بعد میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔'' جلیل نے بتایا۔

''پھر میری آنکھ ہسپتال میں ہی کھلی۔ وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ دوستوں نے رکشے میں ڈال کر یہاں پہنچایا۔'' جلیل کی آنکھوں میں چمک تھی۔

''پھر مجھے ہسپتال میں طلعت بھائی ملنے کے لیے آئے۔ مجھے بھی حوصلہ ملا کہ اسکول کا کوئی ساتھی آج مجھے دیکھنے کے لیے آیا۔'' جلیل خوشی سے بتا رہا تھا۔

''دیکھو بھائی! اللہ نے تمھیں اس حادثے میں زندگی بخشی ہے۔ اب آگے کے کچھ عزائم کرلو۔'' محسن نے کہا۔

''زندگی کو بدلنے کی کوشش کرو۔ اب تک جس غلط راہ پر تھے اسے چھوڑ کر صحیح راہ پر چلنے کی کوشش کرو۔'' شاہد نے درمیان میں کہا۔

''کتنے بچے ہیں تمھارے۔'' جاوید نے پوچھا۔

''تین بچے ہیں۔'' جلیل نے بتایا۔

''اجی آج ہی تو آئے ہیں ہم لوگ۔ میں اپنے میکے میں رہتی ہوں اپنے بچوں کو لے کر۔'' بیوی نے درمیان میں کہا۔

''کیوں؟'' محسن نے پوچھا۔

''ان کا کوئی ڈھنگ کا کاروبار نہیں ہے۔ آئے دن ہمارے جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ باہر سے ان کی شکایت بھی آتی ہے۔ پریشان ہوگئی تھی ان سے۔'' بیوی نے تفصیل بتانے کی کوشش کی۔

''بچوں پر غلط اثر نہ پڑے اس لیے میں اپنے میکے چلی گئی۔'' بیوی نے بتایا۔

''لیکن اس کا غلط اثر تو ان پر بھی پڑ رہا ہے نا۔ یہ اور زیادہ بگڑتے جا رہے ہیں۔'' طلعت نے بیوی کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''دیکھو جلیل بھائی۔ اب موقع ہے نئے عزم کرنے کا۔ کوئی نیا کام پکڑو، محنت مزدوری کرو۔ نمازوں کی پابندی کرو، عبادت میں اپنے آپ کو مشغول رکھو۔ فالتو دھندے اور دوست چھوڑو، ان معصوم بچوں اور بیوی کے بارے میں سوچو اوران کے لیے ان کے ساتھ جیو۔'' محسن نے کہا۔

''ہاں بھائی۔ آپ لوگوں کا شکریہ جو آج ملنے کے لیے آئے۔ میں آج سے آپ لوگوں کی باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔'' جلیل نے کہا۔

''دیکھو تم جو کروگے وہ مستقبل کے لیے کروگے۔ اس لیے بچوں کو دیکھتے ہوئے کچھ اچھا کرنے کی کوشش کرو تا کہ ان پر بھی کوئی برا اثر نہ پڑے، بیوی کے ساتھ پیار محبت سے رہو تا کہ وہ بھی تمھارے کام میں مدد کرے تمہارے گھر بار کی دیکھ ریکھ کرے۔'' شاہد نے بھی سمجھانے کی کوشش کی۔

''ہاں بھائی ضرور۔ میں آپ لوگوں کی باتوں پر عمل کروں گا۔'' جلیل نے کہا

''وعدہ ہم سے نہیں اپنے بیوی بچوں سے کرو۔ وہی تمہارے ساتھ رہنے والے ہیں۔'' طلعت نے کہا۔

''جی ضرور۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔'' جلیل نے بیوی کی طرف دیکھتے اور مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا بھائی اب اجازت، ہم لوگ چلتے ہیں۔ اب تم آرام کرو۔'' طلعت نے کہا۔

''جی بھائی۔ ایک بار پھر شکریہ!'' جلیل نے کہا۔

سلام علیک کے بعد طلعت، شاہد، محسن، امین، جاوید ایک ساتھ باہر نکل گئے۔

■

**Parvez Ahmed Yaqubi**
Peeli Haveli Chowk
Kamptee- 441001
Nagpur (MS)
Mob.: 9595559073

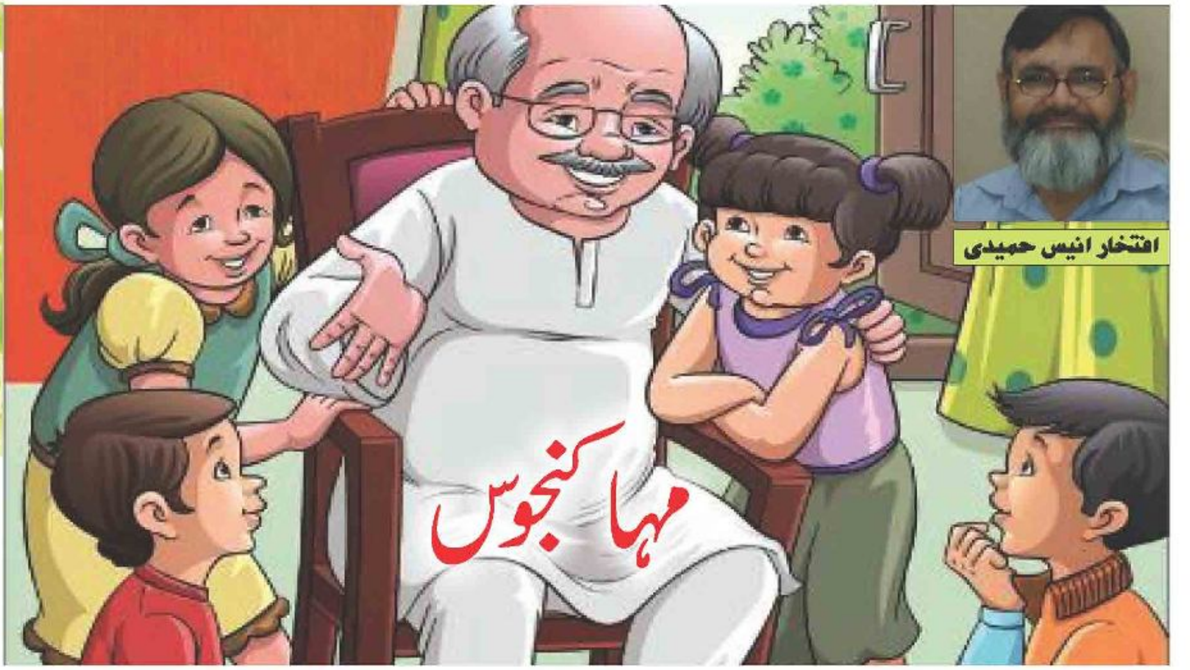

# مہا کنجوس

افتخار انیس حمیدی

”**بہت زمانے** پہلے ہمارے دادا صاحب جن کو ہم سب بچے ابا میاں کہتے تھے۔وہ ایک ساٹھ سال کے بزرگ اور تجربہ کار ریٹائرڈ استاد تھے، جن کی ساری عمر پڑھنے پڑھانے میں گزری تھی۔'' کہتے ہوئے۔کچھ دیر کے لیے بھائی جان رکے۔ بھائی جان !جی بھائی جان نام تو سنا ہوگا۔ہمارے بھائی جان۔

آج بھائی جان اپنے دادا صاحب کی ایک بہت ہی پرانی کہانی اپنے بھتیجے کو سنا رہے تھے۔

''پھر کیا ہوا ؟'' جمی نے پوچھ ہی لیا جو بہت دیر سے خاموشی سے کہانی سن رہا تھا۔ بھائی جان نے کہانی جاری رکھی ''یو پی میں اسکولوں میں جب گرمیوں کی چھٹیاں چالیس دن کی ہوتی تھیں تو ان چھٹیوں میں میری عمر کے ان کے سب پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں گکو ، پپو ، گڈو ، ببلو ، لولی ، پنکی ، ہپی ، ببلی ، ڈولی ، سیوٹی ، پنٹو ، گڑیا ، لکی ، بوبی ، رنکی چاندنی ، روشنی ، اپنے اپنے شہر سے اور گھروں سے ابا میاں کے گھر جمع ہو جاتے۔

ہم سب بچوں کو کہانیاں سننے کا بہت شوق تھا۔شام کے کھانے سے فارغ ہو کر رات کے آٹھ بجے ابا میاں کے کمرے میں جمع ہو جاتے اور ان کو گھیر لیتے۔ وہ روز ہماری فرمائش پر ایک نئی کہانی سناتے۔ اس دن بھی روز کی طرح انھوں نے کہانی شروع کی۔ وہ کہانی آپ لوگوں کو بھی سناتا ہوں۔''ہمارے شہر سے کوسوں دور ایک گاؤں بھینسیا تھا۔اس میں ایک خاندان رہتا تھا۔اس خاندان کے لوگ بہت کنجوس تھے۔ان کے نام لکھی مل، کروڑی مل۔ دمڑی مل تھے۔ وہ لوگ اپنے اوپر خرچ کرنے سے بچتے تھے۔

دھنی رام اپنے باپ دادا سے دو قدم آگے تھا۔ اس کا اصول تھا کہ چاہے چمڑی جائے پر دمڑی نہ جائے۔

دھنی رام کی بیوی کا نام لکشمی اور پانچ بچے لاڈو، دولت رام، کوبیر، کامنی، بچت رام تھے۔

دھنی رام لکشمی اور ان کے پانچوں بچوں کو گھر میں صرف ایک سوتی دھوتی پہن کر گزارتے۔ان سب کو یہ بھی یاد نہیں کہ انھوں نے آخری بار نئے کپڑے کب خریدے تھے اور پہنے

تھے۔ ہولی یا دیوالی پر شاید نئے کپڑے پہنے ہوں۔ گھر میں ننگے پیر رہتے۔ چپل صرف جون کی چلچلاتی دھوپ میں ہی پہنتے تھے۔ جوتے موہاسوں میں ہی نکالتے۔ دھنی رام کی ایک پنساری تھا اس کی ایک پرچون کی دوکان بازار میں تھی۔ وہ روز دوکان کو جاتا تھا۔ گھر سے دوکان جاتے وقت روٹی اور اچار دوپہر کے کھانے کو لے جاتا اور گھر کی ہر چیز الماری اور صندوق میں تالا ڈال کر جاتا، تاکہ اس کے بچے اس کی غیر حاضری میں کچھ خرچ نہ کرسکیں۔

شام کو بیوی بچے سب اس کا دوکان سے لوٹنے کا بے صبری سے انتظار کرتے، کیونکہ جب وہ دوکان بند کرکے گھر واپس آتا۔ تب الماری اور صندوق کے لگے تالے کھولتا اور سب بچے مل کر شام کا کھانا کھاتے''پھر کیا ہوا؟'' جمی پھر بول پڑا۔ بھائی جان نے کہانی جاری رکھی۔ کئی سالوں سے دیسی گھی الماری میں بند ڈبہ میں رکھا تھا۔ جو صرف خاص مہمانوں کے آنے پر نکلتا۔

روز شام کو اس بند الماری کو کھولے بغیر سب بچوں کی روٹیاں دور سے ہی الماری میں رکھے دیسی گھی کی طرف دکھا کر کھانے کو دیتا۔ سب بچے خوشی خوشی کھانا کھا کر پربھو کے گن گاتے اور رات کو آرام سے پیر پھیلا کر مگن ہو کر سوجاتے اور ان کی زندگی اسی طرح کٹ رہی تھی۔''

ایک دن دھنی رام کو اپنی دوکان کے ضروری کام سے پاس کے شہر باگڑپور جانا پڑا۔ صبح ہی تیار ہو کر وہ باگڑپور تک پیدل چلا گیا۔ اس کو گھر واپس آنے میں کافی دیر ہوگئی۔

رات کا کھانا بھی اس نے راستے میں ہی کھالیا۔ جب رات کو وہ گھر پہنچا۔ بچے اس کا بے صبری سے انتظار کررہے تھے۔ گھر واپس آکر دھنی رام نے بڑے افسوس کے ساتھ بچوں سے بولا''بچوں آج تو تم کو بغیر گھی کے روٹی کھانی پڑی ہوگی۔'' دھنی رام کا بڑا لڑکا دولت رام جو پندرہ سال کا تھا، اس کے ساتھ ہی دوکان پر بیٹھتا تھا۔ اس نے جواب دیا ''نہیں! آپ کی غیر موجودگی میں میں نے سبھی کی روٹیوں پر ٹھیک اس طرح دور سے گھی لگا دیا تھا جس طرح آپ روز لگاتے تھے اور سب نے خوشی خوشی پیٹ بھر کھانا کھایا۔'' یہ سن کر دھنی رام کو بہت غصہ آگیا اور ناراض ہوا اور بولا''ارے مورکھوں! ایک دن صبر نہیں کرسکتے تھے۔ بغیر گھی کی روٹی کھا کر مر نہیں جاتے۔''

دھنی رام کا ایک دوست تھا، جس کا نام امیر چند تھا۔ وہ پاس کے گاؤں راج پور میں رہتا ہے۔ وہ بھی دھنی رام کی طرح کنجوس تھا۔ دوستی کی وجہ سے ان دونوں کے گھر آنا جانا اور لینا دینا بھی تھا۔ دھنی رام نے امیر چند کی خیریت لینے کے لیے دولت رام کو راج پور اس کے گھر بھیجا، کیونکہ دھنی رام دوکان چھوڑ کر نہیں جاسکتا تھا۔ گھر سے نکلتے وقت ماں نے اس کو ایک نئی قمیض دھوتی اور ایک جوڑی چپل نکال کر ایک جھولے میں ڈال کر دی۔ دولت رام راج پور کے لیے ننگے پیر پیدل ہی چل پڑا۔ جمی نے پوچھ ہی لیا۔ پھر کیا ہوا؟ بھائی جان نے کہانی جاری رکھتے ہوئے کہا۔ اس کے بدن پر صرف ایک سوتی دھوتی تھی۔ وہ اپنے گاؤں سے راج پور ایک پگڈنڈی کے سہارے سہارے مستی کے ساتھ چلا جارہا تھا۔ چلتے چلتے راج پور بھی آگیا۔ راج پور کے باہر ایک بڑا تالاب تھا۔ دولت رام نے سوچا''چلو! اس تالاب میں نہا کر کپڑے بدل کر آگے چلا جائے۔'' دولت رام نہا دھو کر جھولے میں سے قمیض نکال کر کپڑے بدلے اور چپل پہن کر تیار ہو کر امیر چند کے گھر پہنچ گیا۔

''نمستے! تائی جی'' دولت رام نے امیر چند کی بیوی مورتی سے کہا۔ مورتی بھی اپنے پتی کی طرح بہت ہی کنجوس

تھی۔اس نے کہا ”جیو“ اس وقت امیر چند اپنی دوکان پر تھا۔ مورتی نے اپنے بڑے بیٹے چندر داس سے کہا ”جاؤ! دوکان سے لالا جی کو بلالاؤ“ چندر داس جلدی سے بھاگتا ہوا بازار تک گیا اور دکان پر پہنچ کر اپنے پتا سے بولا ”پتا جی! پتا جی! بھینسیا گاوں سے دولت رام بھیا آئے ہیں۔“ امیر چند نے بیٹے سے کہا ”تو دوکان دیکھ، میں مل کر آتا ہوں“ یہ کہہ کر وہ اپنے گھر کی طرف تیزی سے چل پڑا۔ دولت رام نے امیر چند کو آتے دیکھا تو کہا ”نمستے تاؤ جی! آپ کیسے ہیں؟“ میں تو ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ! سب کشل منگل؛ اور ہمرا یار کیسا ہے ؟“ جی! آپ کا آشرواد ہے اور بھگوان جی کی کرپا“ دولت رام نے کہا۔ مورتی نے اس کو پینے کو پانی دیا۔ ”پتا جی نے آپ کو سیب بھیجے ہیں۔“ دولت رام نے امیر چند سے کہا۔ اور اس نے ان کو سیب دے دیے۔ امیر چند نے کہا ”ارے اس کی کیا آوشکتا تھی۔“

جب دولت رام شام کو راج پور سے بھینسیا اپنے گھر واپس آیا تو دھنی رام نے اس سے سفر کا حال پوچھا۔ تو دولت رام نے اپنے پتا کو امیر چند کی خیریت بتائی۔

اور جھولے میں سے فرضی سیب بناتے ہوئے کہا۔ ”میں تاؤ جی کو پانچ سیب دے آیا ہوں۔“ یہ بات سن کر دھنی رام کو بہت غصہ آیا اور ناراض ہوکر بولا ”ارے مورکھ! اتنے بڑے بڑے پانچ سیب دینے کی کیا ضرورت تھی۔ کچھ چھوٹے دو سیب یا دس بیر بھی تو دیے جا سکتے تھے۔ تجھے کچھ گیان ہے؟ تو نے آج میرا کتنا بڑا گھاٹا کر دیا؛ پریوار کی ناک کٹا دی“ اس دن سے دھنی رام اپنی کنجوسی کی وجہ سے سارے گاوں میں بدنام ہوگیا۔

سبھی لوگ اس کو ”مہا کنجوس“ کے نام سے پکارنے لگے۔ جب سے ہی وہ کنجوس مکھی چوس مشہور ہوگیا۔

یہ کہہ کر ابا میاں نے کہا ”کہانی ختم پیسہ ہضم۔“

بھائی جان نے بھی مہا کنجوس کہانی ختم کر دی اور کہا ”پھر ملتے ہیں ایک۔ نئی کہانی کے ساتھ۔“

**{تعارف جون 2021 کے شمارے میں شائع ہوچکا ہے}**

■

**Dr.Iftikhar Anees Hameedi**
196-Chilla
Amroha- 244221(UP)
Mob.: 9719308843 7 8077182557

کہانی

# ہار کے بعد جیت ہے

زیب النسا

زیب النسا کا تعلق دہلی سے ہے۔ انھوں نے سینٹ جانس کالج سے گریجویشن اور آگرہ یونیورسٹی سے جرنلزم میں ڈپلوما کی ڈگری حاصل کی ہے۔ ان کی تخلیقات مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ انھیں ہندی اکادمی نئی دہلی کی طرف بال کشور ساہتیہ سمان سے نوازا جاچکا ہے۔ بچوں کے لیے ان کی کئی کتابیں شائع ہوچکی ہیں، جن میں ام ہانی، رحم دل امین، خواب امین کا، کالی مچھلی کے دل میں کیا ہے اور رمضان آیا، قابل ذکر ہیں۔ ان کی ایک کتاب 'ایک کوشش' کے عنوان سے نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا جیسے معتبر اشاعتی ادارے نے شائع کی ہے۔

پہاڑی کے اس پار ایک خوبصورت باغیچہ تھا۔ اس باغیچے میں رنگ برنگے پھولوں کے پیڑ پودے تھے۔ پھولوں سے لدے بھرے ان پیڑ پودوں پر رنگ برنگی تتلیاں منڈلاتی رہتی تھیں۔ سہانے موسم کا مزہ لیتی تھیں۔ چڑیا چہکتیں، پھدکتیں اور اڑتی رہتی تھیں۔ سونو بھنورا ادھر ادھر اڑتا، پھدکتا اور تتلیوں کے باغیچے میں آنے والے نئے پرندوں کی خبر 'خبریا چینلوں' کی طرح دیتا رہتا۔ سورج مکھی سے اس کی کچھ زیادہ ہی گہری دوستی تھی۔

ایک دن اچانک سب نے دیکھا کہ دور سے ایک کالی تتلی اڑتی ہوئی آرہی ہے، بالکل کالی، پہلے تو سب ڈر گئے کہ کہیں کوئی ایسا پرندہ تو نہیں چلا آرہا ہے جو ہم سب تتلیوں اور پرندوں کو مار ہی ڈالے مگر جب وہ باغیچے کے نزدیک آئی تو سونو بھنورا ہنستے ہوئے بولا ''ارے یہ تو کالے رنگ کی تتلی ہے۔ یہ تو سب تتلیوں کی بہن ہے۔''

سونو بھنورے کی بات سن کر وہاں موجود باقی تتلیاں چڑھ کر بولیں ''خبردار! جو کسی نے کالی کلوٹی تتلی کا رشتہ ہمارے ساتھ جوڑا!! ہم تو اتنی خوبصورت ہیں کہ ہم سے باغیچے کی رونق اور شان بڑھتی ہے۔''

سونو بھنورا ان تتلیوں کی بات سن کر خاموش ہوگیا۔ اس کالی تتلی نے ساری بات سن لی تھی۔ اسے بہت دکھ ہوا مگر وہ یہ سوچ کر خاموش رہی کہ یہ نادان ہیں۔ میرے دل پر کیا گزرتی ہے، انھیں کیا پتہ؟ مجھے صبر کرنا چاہیے کیونکہ صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہوتا ہے۔ جب اللہ میرے ساتھ ہے تو وہ میرے صبر کا

بدلہ ایک نہ ایک دن ضرور دے گا۔

رات ہو چکی تھی۔ باغیچے میں رہنے والی کسی بھی تتلی نے اس سے بات کرنا گوارا نہیں کیا۔ وہ چپ چاپ چنبیلی کے پودے پر جا کر بیٹھ گئی اور تاروں بھرے آسمان کی طرف دیکھ کر سوچنے لگی ''کاش! اللہ نے میرے بچپن کے رنگ لوٹا دیے ہوتے۔''

بچپن میں وہ بہت خوبصورت تھی۔ سبھی اسے تتلی رانی کہہ کر بلاتے تھے۔ اچانک نہ جانے کس بیماری نے اس کی خوبصورتی پر دھاوا بول دیا اور دھیرے دھیرے اس کے رنگ کالے پڑتے گئے۔

اسے اس باغیچے میں آئے ہوئے کئی دن گزر گئے تھے مگر کسی نے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھایا۔ وہ اکیلی کی اکیلی ہی رہی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ سب سے بولے، سب کے ساتھ کھیلے، مگر اس کا سوچنا بیکار تھا۔

آخر ایک دن وہ ڈرتے ہوئے خود ہی ان تتلیوں کے پاس جا کر بولی ''کیا میں بھی تم سب کے ساتھ رہ سکتی ہوں؟''

اس کی بات سن کر رانی تتلی بولی ''نہیں ہرگز نہیں کیونکہ تم خوبصورت نہیں ہو، تم ہم میں سے نہیں ہو سکتیں۔ تمھارا رنگ سونو بھورے کے رنگ سے ملتا جلتا ہے۔ جاؤ تم اسی سے دوستی کرو۔''

رانی تتلی کی بات سن کر کالی تتلی کا دل چھلنی ہو گیا۔ وہ روتے ہوئے چنبیلی کے پودے کے پاس پہنچی۔ وہاں سونو بھنورا موجود تھا۔ اسے روتا دیکھ کر اس نے پوچھا ''تم کیوں رو رہی ہو تتلی بہن؟''

کالی تتلی نے اپنا دکھڑا سنایا۔ سونو بھنورے نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا ''صبح سویرے باغیچے میں ایک بہت ہی پیارا لڑکا پھول توڑنے آتا ہے۔ پتا ہے وہ اپنے کلاس کو پھولوں سے سجاتا ہے۔ وہ بہت ہی رحم دل ہے۔ وہ یہیں پرندوں کے لیے

اکثر کچھ نہ کچھ کھانے کی چیزیں بھی لاتا رہتا ہے۔ اس کا نام امین ہے۔ تم اسے اپنی درد بھری داستان سنانا۔ وہ ضرور تمھاری مدد کرے گا۔

''وہ میری مدد کرے گا؟'' کالی تتلی نے سوال کیا۔

''سونو بولا ''ضرور کرے گا۔ بتاؤں کیسے؟''

کالی تتلی نے پوچھا ''کیسے؟''

سونو بولا ''وہ تتلیوں سے بہت پیار کرتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ اس کے گھر کے آنگن میں تمھاری جیسی ان گنت تتلیاں رہتی ہیں۔ وہ اسی باغیچے سے انھیں لے گیا تھا۔ اس نے ان کے لیے پیارے پیارے پھولوں کے پیڑ پودے لگا رکھے ہیں۔ اس کی چھوٹی سی دنیا تمھاری جیسی خوبصورت، خوب سیرت اور رنگ برنگی تتلیوں سے آباد ہے۔ اور بتاؤں اس کے ایک بابا جان بھی ہیں جو ان تتلیوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں ان کا نام رحیم بابا ہے۔''

''تمھیں امین کے بابا جان کا نام کیسے معلوم ہوا؟'' کالی تتلی نے حیران ہو کر پوچھا۔

سونو بھنورا ہنستے ہوئے بولا ''کیسے نہیں معلوم ہوگا؟ میں بھی تو اکثر وہاں جاتا رہتا ہوں۔''

اگلی صبح جیسے ہی امین باغیچے میں آیا، کالی تتلی اس کے پاس آئی۔ اس نے اپنی آپ بیتی سنائی۔ اس کی دکھ بھری داستان سن کر امین نے کہا ''تم فکرمت کرو پیاری تتلی۔ اللہ ساری دنیا کا پالنے والا ہے۔ اس سے بڑھ کر رحم کرنے والا کوئی نہیں۔ ساری مشکلیں وہی دور کرتا ہے۔ بس تم دعا کرو اور اسی سے مانگو جو کچھ بھی مانگنا چاہو۔ وہ تمھاری فریاد ضرور سنے گا۔ خوشیوں سے تمھارا دامن بھر دے گا۔''

امین کی بات سن کر کالی تتلی کے دل کا بوجھ کسی حد تک ہلکا ہوگیا۔ وہ ہر روز اللہ سے دعا مانگنے لگی اور وہ من ہی من میں سوچنے لگی ''اے میرے اللہ! ایسا بھلا لڑکا مجھے پہلے ہی مل گیا ہوتا تو اتنا دکھ اور اتنی تکلیف نہ جھیلنی پڑتی۔ مجھے اس نے کتنی تسلی دی ہے۔ ضرور اس کی امی جان بھی اسی کی طرح ہوں گی۔ تو نے چاہا تو میں ان سے ضرور ملوں گی۔''

وقت بیتتا رہا۔ باقی تتلیاں اسے چڑھاتی رہیں، ستاتی رہیں۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اچانک اس کالی تتلی کے جسم کا رنگ بدلنے لگا۔ دھیرے دھیرے اس کے پر سنہری ہونے لگے۔ سونو بھنورے نے دیکھا تو وہ حیران رہ گیا۔ وہ تیزی سے اڑتا ہوا رانی تتلی کے پاس پہنچا اور بولا ''میرے ساتھ چلو۔ دیکھو اس کالی تتلی کا رنگ سونے کی طرح چمکنے لگا ہے۔ وہ سنہری ہوگئی ہے۔''

پورے باغیچے میں یہ خبر پھیل گئی کہ کالی تتلی کا رنگ سنہری ہوگیا ہے۔ اس کی چمک اور خوبصورتی کے سامنے تو رانی تتلی کی چمک اور خوبصورتی بھی پھیکی پڑ گئی ہے۔ سب حیران تھے۔ سب کے من میں یہی سوال کلبلا رہا تھا کہ وہ اتنی خوبصورت کیسے ہوگئی؟

رانی تتلی سے رہا نہ گیا۔ وہ کالی تتلی کے پاس پہنچی اور پوچھا ''بتاؤ تمھارا رنگ سنہری کیسے ہوگیا؟''

رانی تتلی کا سوال سن کر اس نے امین کے بارے میں بتایا اور بولی ''امین نے جیسا مجھ سے کہا تھا، میں نے ویسا ہی کیا۔ دیکھو میرے اللہ نے مجھ کو کتنے پیارے رنگ دے دیے۔ میرے رب نے میری دعا سن لی اور مجھے میرے صبر کا کتنا اچھا بدلہ دیا۔''

یہ کہہ کر سنہری تتلی اڑتی ہوئی پہاڑیوں کے پار چلی گئی اور کچھ ہی دیر میں وہ امین کے آنگن میں لگی پھلواری میں پہنچ گئی۔ وہاں اس نے دیکھا کہ امین کی امی ناشتہ بنانے میں مصروف ہیں اور اس کے بابا جان اسے ایک کتاب پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ وہ اڑتی ہوئی قریب جا پہنچی۔ وہیں قریب ہی گلاب کے پھول پر بیٹھ کر وہ بھی بڑے غور سے سننے لگی۔ امین کے بابا جان بڑی میٹھی آواز میں قرآن پاک پڑھ کر سنا رہے تھے۔ بابا جان نے ایک آیت کا ترجمہ بھی پڑھ کر سنایا:

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائے، ہوسکتا ہے کہ وہ اس سے بہتر ہو اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپ میں سے ایک دوسرے پر طعنہ نہ مارو اور نہ ہی اک دوسرے کو برے ناموں سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد نافرمانی کرنا بہت بری بات ہے۔ جو لوگ اس رویے سے باز نہ آئیں، وہ ظالم ہیں۔'' (49:11)

کلام پاک سن کر سنہری تتلی کا دل خوشی سے باغ باغ ہو اٹھا۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا ''اے میرے خدا! تو بڑا ہی مہربان ہے۔ تو نے اپنی مہربانی سے میری کایا پلٹ دی۔ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ ساری تعریف اور بڑائی صرف تیرے ہی لیے ہے۔''

■

**Zebun Nisa**
A-1, 4th Floor, M.M. Apartment
Okhla Vihar, Jamia Nagar
New Delhi - 110025
Mob.: 9718042178

# عقلمند کسان

سعدیہ پروین

**رانی کھیت** نام کا ایک گاؤں تھا۔ وہ گاؤں بہت ہی خوبصورت تھا۔ گاؤں کے ایک طرف پہاڑ اور اونچے اونچے درخت تھے تو دوسری طرف ندی۔ اس گاؤں کے سب لوگ مل جل کر رہتے تھے۔ ایک دوسرے کی خوشی میں خوش ہوتے اور دکھ میں ایک دوسرے کا سہارا بنتے، گاؤں کے لوگوں کا کام کھیتی کرنا تھا۔ گاؤں کے لوگ بہت ہی محنتی تھے۔ اسی گاؤں میں حامد نام کا ایک کسان رہتا تھا۔ وہ ایک محنتی اور ایماندار انسان تھا۔ چھوٹے سے گھر میں وہ اپنی بیوی اور دو پیارے بچوں کے ساتھ رہتا تھا۔ بڑے بیٹے کا نام اکرم تھا اور چھوٹے بیٹے کا نام جنید۔ دھیرے دھیرے وقت گزرتا گیا، حامد بوڑھا ہوتا گیا، اکرم اور جنید بڑے ہوتے گئے۔ حامد میں اب پہلی جیسی طاقت نہیں رہی تھی، وہ بہت جلدی تھک جاتا تھا۔

حامد جب بھی اپنے دونوں بیٹوں سے کہتا کہ تم دونوں میرے ساتھ کھیت پر چلا کرو، اب مجھ سے اکیلے کام نہیں کیا جاتا میں بہت جلدی تھک جاتا ہوں تو اس کے بیٹے اپنے والد کی ان باتوں کو ان سنا کر دیتے یا کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر اس بات کو ٹال دیتے۔ ان کا دل کسی بھی کام میں نہیں لگتا تھا، سارا دن ادھر ادھر گھومتے رہتے تھے۔ حامد اور اس کی بیوی اپنے بیٹوں کی اس کام چوری سے بہت پریشان تھے۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔

یہ سب دیکھ کر حامد اور اس کی بیوی سوچ میں پڑ گئے کہ ہمارے بعد ہمارے بیٹوں کا کیا ہوگا۔ بہت سوچنے کے بعد حامد کے ذہن میں ایک ترکیب آئی، جس کا ذکر اس نے اپنی بیوی سے بھی کیا۔

اس کے بعد حامد نے اپنے دونوں بیٹوں اکرم اور جنید کو بلا کر کہا، میرے پیارے بیٹو میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں نہ جانے کب مر جاؤں، جب تک میرے ان ہاتھوں اور جسم میں طاقت تھی میں نے محنت کر کے کھیتی کی اور تم دونوں کی پرورش

کہانی

کی۔میں نے کئی بار تم دونوں سے کہا کہ میرے ساتھ کھیت پر چلا کرو اور چل کر کھیتی کرنا سیکھ لو تا کہ میرے مرنے کے بعد تم دونوں آرام سے اپنی زندگی گزر بسر کر سکو مگر تم دونوں نے ایک بار بھی میری بات نہ سنی۔ اس لیے میں نے کافی غور وفکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ مرنے سے پہلے میں تم دونوں کو چھپے ہوئے خزانہ کا پتہ بتا دوں تا کہ اسے حاصل کر کے تم دونوں کی آنے والی زندگی خوشحال ہو۔ مگر میری ایک شرط ہے۔ شرط پوری کرنے کے بعد ہی خزانہ تم دونوں کا ہوگا۔

خزانے کی بات سن کر اس کے دونوں بیٹے بہت خوش ہوئے، اور من ہی من میں سوچا ایک بار ہمیں خزانہ مل جائے اس کے بعد ہمیں کبھی کام نہیں کرنا پڑے گا۔ دونوں کچھ دیر سوچنے کے بعد ایک ساتھ بولے، بابا ہمیں وہ خزانہ چاہیے۔ ہم آپ کی ہر شرط ماننے کو تیار ہیں۔

حامد بولا، بچوں اچھے سے سوچ لو اس خزانے کو حاصل کرنے کے لیے تم دونوں کو تھوڑی سی محنت کرنی پڑے گی اور کام بھی کرنا ہوگا۔ دونوں بچوں کے من میں خزانے کا لالچ دیکھ کر حامد نے کہا چھوڑو جانے دو.....خزانے کا خیال اپنے من سے نکال دو، تم دونوں سے محنت اور کام نہیں ہوگا۔ تم دونوں کو محنت اور کام کرنے کی کہاں عادت ہے۔

دونوں نے من ہی من سوچا کہ اگر تھوڑی سی محنت کے بعد خزانہ مل جائے تو کیا برا ہے۔ سوچنے کے بعد دونوں ایک ساتھ بولے بابا ہم محنت اور کام کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آپ بس ہمیں کام بتائیں۔

حامد اپنی ترکیب کو کامیاب ہوتا دیکھ من ہی من میں مسکراتا ہے اور اپنے بچوں سے کہتا ہے کہ

''پیارے بچوں کام تھوڑی محنت کا ہے کر لو گے نا؟''

دونوں بچے ایک ساتھ ہاں... ہاں بابا ہم کر لیں گے۔ آپ بس کام بتائیں۔

حامد نے کہا، بچوں...اس بار کھیت میں فصل تم دونوں مل کر تیار کروگے اگر فصل اچھی ہوئی تو خزانہ تم دونوں کا۔

فصل کی بات سن کر کچھ دیر تک تو دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر خزانہ کے لالچ میں تیار ہو گئے۔

اگلے دن دونوں صبح اٹھتے ہی ہل لے کر کھیت کی طرف چل پڑے۔ دو تین دن کی سخت محنت اور مشقت کے بعد پورا کھیت جوت ڈالا۔ کھیت جوتنے کے بعد بیج ڈال کر اس کی دیکھ ریکھ کرنے لگے۔ روز صبح اٹھ کر دونوں کھیت پر جاتے اور پورا دن کھیت کی دیکھ بھال کرتے کہ کہیں کوئی جانور یا پرندے ان کے کھیت کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ کچھ دن محنت کے بعد کھیت میں فصل دِکھنے لگی۔ یہ دیکھ کر دونوں بہت خوش ہوئے اور پہلے سے بھی زیادہ محنت اور لگن سے اس کی حفاظت کرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے آخر کار وہ دن بھی آ گیا جب فصل سے پورا کھیت لہلہانے لگا۔ اب فصل پکنے کی دیر تھی۔ پھر وہ دن بھی آ گیا فصل پک کر تیار ہو گئی اور پورا کھیت ہری بھری فصل سے لہلہانے لگا۔ یہ دیکھ کر دونوں بہت خوش ہوئے اور خوشی کے مارے دوڑتے ہوئے اپنے بابا کے پاس آئے اور آ کر کہنے لگے ”بابا...... بابا ہم نے آپ کی شرط پوری کردی۔ آپ چل کر کھیت دیکھ لو۔ پورا کھیت فصل سے بھرا ہوا ہے۔“

”بوڑھا حامد اپنی بیوی بیٹوں اکرم اور جنید کے ساتھ جب کھیت پر پہنچا تو فصل سے بھرے کھیت کو دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھا ۔ خوشی کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔خوش ہوتے ہوئے کہا میرے پیارے بچو! تم دونوں نے شرط کا ابھی آدھا حصہ پورا کیا ہے آدھا حصہ ابھی باقی ہے۔ دونوں حیرت سے اپنے بابا کا منھ تکنے لگے اور بولے اب کیا باقی ہے؟

حامد بولا، تم دونوں نے ابھی صرف فصل تیار کی ہے۔ اسے ابھی کاٹنا اور بیچنا باقی ہے۔ فصل کو کاٹنے اور بیچنے کے بعد جو پیسے حاصل ہوں گے وہ لا کر مجھے دوگے تب شرط پوری ہوگی۔

دونوں کئی دن کی محنت کے بعد فصل کو کاٹ کر پاس کے بازار میں بیچنے لے گئے۔ چونکہ ان کی فصل بہت اچھی تھی اس لیے ان کی فصل جلد ہی اچھے داموں میں بک گئی۔ پیسے لے کر دونوں خوشی خوشی گھر آئے اور آتے ہی بولے ”بابا ہم نے آپکی یہ شرط بھی پوری کردی اور پیسے دیتے ہوئے بولے، یہ دیکھو ہماری فصل کتنے اچھے داموں میں فروخت ہوئی ہے۔“

یہ سب دیکھ کر بوڑھے حامد کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو بھر گئے۔ اپنے بچوں کو خوش دیکھ کر کہا، میرے پیارے بچوں... تم دونوں شرط جیت گئے، تمہارے چہروں سے جو خوشی چھلک رہی ہے وہ تمھاری محنت اور لگن کی بدولت ہے۔تمہارے چہروں کی خوشی اور محنت سے یہ کمائی ہوئی دولت ہی وہ خزانہ ہے جو میں تم دونوں کو دینا چاہتا تھا۔

حامد کے دونوں بیٹے سمجھ گئے کہ بابا ہم سے کیا چاہتے تھے۔ دونوں بیٹوں نے خوشی سے بابا کو گلے لگا لیا اور وعدہ کیا کہ وہ کبھی بھی محنت اور کام کرنے سے نہیں بھاگیں گے بلکہ ہمیشہ محنت اور ایمانداری سے کام کریں گے۔حامد اپنے دونوں بیٹوں کی بات سن کر خوشی سے انہیں گلے سے لگا لیتا ہے۔

تو پیارے بچو! اس کہانی سے ہمیں یہ نصیحت ملتی ہے کہ محنت اور کام کرنے سے ہمیں کبھی جی نہیں چرانا چاہیے کیونکہ محنت کے بدلے جو دولت اور خوشی ملتی ہے اس سے بڑھ کر کوئی بھی خزانہ نہیں ہوتا۔

■

**Dr. Sadia Parveen**
D/o Afzal Ahmad Ujala
Chhattarpura mau Nath Bhanjan
Distt.: Mau - 27510100

# بچوں کے 100 اسٹیج ڈرامے

اسلم جمشیدپوری

**اقبال نیازی** کا شمار 80ء کے آس پاس ابھرنے والے ڈرامہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ اقبال نیازی کے ڈراموں میں موجودہ مسائل اور سماج کی سچی تصویر کشی ہوتی ہے۔ اقبال نیازی کا کمال یہ ہے کہ آپ نے نہ صرف ڈرامے لکھے بلکہ انھیں اسٹیج پر پیش بھی کیا۔ کبھی ہدایت کاری کی تو کبھی مختلف اردو ڈراموں میں اداکار کے طور پر سامنے آئے۔

اقبال نیازی کا وصف خاص یہ ہے کہ انھوں نے بچوں کے لیے بھی بہت سے ڈرامے لکھے اور اسٹیج کیے۔ بچوں کے لیے ڈراما لکھنا اور اسے اسٹیج کرنا جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔ بچوں کے لیے ڈرامے لکھتے وقت بچوں کی نفسیات عمر، دلچسپی، نیاپن، بدلتے وقت کے تقاضے اور ضرورت اور سب سے بڑھ کر بچوں کے لیے دلچسپ کہانی کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ ڈرامے کو اسٹیج کرتے وقت بھی بہت سی باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اقبال نیازی نے بچوں کے تقاضوں اور ضرورت کے مطابق بہت سے ڈرامے تحریر کیے اور انھیں ممبئی کے مختلف ڈرامہ تھیٹروں میں کامیابی کے ساتھ پیش بھی کیا۔

اقبال نیازی کا ایک اور کارنامہ بچوں کے 'سو اسٹیج ڈرامے' کتاب کی شکل میں سامنے آیا ہے۔ اس کتاب میں بچوں کے لیے ڈرامے لکھنے والے تقریباً 80/ڈرامہ نگاروں کے 100/ڈراموں کا خوبصورت انتخاب شامل ہے۔ یہ کتاب اپنے آپ میں ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں رابندر ناتھ ٹیگور، حبیب تنویر، محمد حسن، سعادت حسن منٹو، صفدر ہاشمی، سلام بن رزاق جیسے ڈرامہ نگاروں کے ڈرامے شامل ہیں تو ظہیر انور، نورالحسنین، انیس اعظمی، بانو سرتاج، وکیل نجیب، مبارک کاپڑی، متین اچل پوری، رفیق گلاب اور خود اقبال نیازی جیسے موجودہ عہد کے معروف ڈرامہ نگاروں کے ڈرامے بھی شامل ہیں۔ کتاب کی خاص بات یہ بھی ہے کہ ڈرامہ نگاروں کے نام کے ساتھ ہی ڈراموں کے موضوعات بھی درج ہیں۔ مثلاً وطن سے محبت، طنز و مزاح، صفائی مہم، قومی یکجہتی، اخلاقی قدریں، تاریخ کی اہمیت، سماجی مساوات، بے راہ روی، والدین کی اہمیت، آلودگی، ماحولیات، بھائی بہن کی محبت، جہیز کی لعنت، توہم پرستی، نشے کی مخالفت، ڈیجیٹل تعلیم کے اثرات، کیریئر گائیڈینس، آزادیِ نسواں، آفاق پسندی، شجر کاری، دودھ کے فوائد وغیرہ موضوعات کے علاوہ ہمارے قومی ہیروز مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد، رانی لکشمی بائی، بادشاہ اکبر، مہاتما گاندھی جی وغیرہ کے بارے میں بھی مختلف ڈرامے موجود ہیں۔ یہ 100 ڈرامے جہاں بچوں کی دلچسپی، عمر اور وقت کے بدلتے تقاضوں کے مطابق ہیں وہیں بچوں کے ڈراموں کی ایک مستحکم روایت کو موجودہ منظرنامے تک ہمارے سامنے لاتے ہیں۔

حبیب تنویر جو کہ مشہور و معروف ڈرامہ نگار اور ہدایت کار ہیں بچو انہیں پیش بھی کیا ہے۔ اس کتاب میں حبیب تنویر کے دو معروف ڈرامے شامل ہیں۔ 'چاندی کا چمچہ' جو صفائی ستھرائی جیسے اہم موضوع پر ہے۔ اس ڈرامے سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں اپنی صفائی کے ساتھ ساتھ محلّہ اور آس پڑوس کی صفائی کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔

'دودھ کا گلاس' حبیب تنویر کا دودھ کے فوائد پر لکھا گیا ایک اچھا ڈرامہ ہے جس میں شیریں، بٹو، چربی، بی پروٹین، مکھو بیگم کردار کی شکل میں موجود ہیں۔ ڈرامے میں دکھایا گیا ہے کہ ایک لڑکی جورات کو سونے سے پہلے دودھ نہیں پیتی ہے اس کو دودھ کے فوائد بتائے جاتے ہیں یعنی شکر، چربی، پروٹین، کیلشیم اور پانی، یہ سب دودھ میں شامل ہوتے ہیں۔ دودھ کے فوائد کے ساتھ یہ ڈرامہ

بچوں کی نفسیات کے مطابق لکھا گیا ہے اور بچوں میں دودھ پینے کی عادت کو بڑھاوا دیتا ہے۔

ظہیر انور موجودہ دور کے معروف ڈرامہ نگار ہیں۔ ان کے دو ڈرامے 'اچھے چاچا' اور 'جھوٹ سے توبہ' اس کتاب میں شامل ہیں۔ اچھے چاچا، معاشرے میں ختم ہو رہی اخلاقی قدروں کو از سر نو بحال کرنے کی کوشش ہے۔ اس ڈرامے میں ایک دوسرے کا خیال رکھنا، اپنے سے چھوٹوں کو پڑھانا اور درخت لگانے کی طرف بچوں کو مائل کیا گیا ہے۔ دوسرے ڈرامہ جھوٹ سے توبہ میں ظہیر انور نے ایک بچے کے اسکول نہ جانے اور جھوٹ پر جھوٹ بولنے کی عادت کو ختم کرنے اور بچوں میں جھوٹ نہ بولنے کی ترغیب دی ہے۔

نور الحسنین معروف ڈرامہ نگار ہیں۔ ان کا بچوں کے لیے لکھا ایک ڈرامہ 'عادل بادشاہ' کتاب میں شامل ہے۔ اس ڈرامے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں ہمیشہ انصاف کرنا چاہیے۔

موجودہ عہد کے ایک اور ڈرامہ نگار اور ہدایت کار انیس اعظمی کا بہت ہی خوبصورت ڈرامہ 'دادی اماں مان جاؤ' شامل ہے۔ جس میں دادی اماں، کے علاوہ ان کی تین بیٹیاں امینہ، تحمینہ، روبینہ، کام والی عورت اور لڑکیوں کی پھوپھی اہم کردار کے طور پر شامل ہیں۔ ڈرامے میں دادی اماں کو تعلیم کی مخالفت کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ لیکن لڑکیوں کی پھوپھی اور لڑکیوں کے کردار سے بالآخر دادی اماں کا دل مان جاتا ہے اور وہ لڑکیوں کے ساتھ ساتھ خود بھی پڑھنے کو تیار ہو جاتی ہیں۔

اقبال نیازی جو اس کتاب کے مرتب بھی ہیں، کے تین ڈرامے راکھشس، ایک نئی اڑان اور اب تمھاری باری ہے، بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔ راکھشس تو نوجوانوں میں غلط عادتوں کے خلاف یعنی نشہ آور چیزوں کے استعمال کے خلاف بہت اچھا ڈراما ہے۔

ایک نئی اڑان کے ذریعے ڈراما نگار نے دکھایا ہے کہ ہمارا ملک بہت خوبصورت اور اچھا ہے۔ یہاں بہت اچھے لوگ رہتے ہیں جو مذہب، رنگ، نسل کی بنیاد پر ایک دوسرے کو نہیں مانتے۔

پوری کتاب میں بچوں کے لیے اچھے ڈرامے موجود ہیں۔ ان میں اردو کے علاوہ دیگر زبانوں کے ترجمہ شدہ ڈرامے بھی

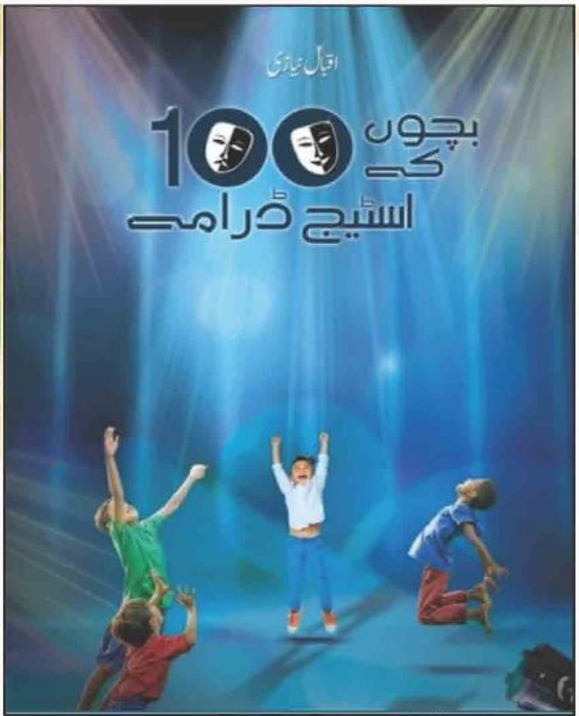


بچوں کے سو اسٹیج ڈرامے، مصنف: اقبال نیازی، صفحات: 752، قیمت: 402، سنہ اشاعت: 2021، ناشر: رحمانی پبلی کیشنز، اسلام پورہ، مالیگاؤں۔ 423203، موبائل: 9323186007

شامل ہیں۔ کتاب کا واضح مقصد بچوں کو اچھا شہری بنانا، ان میں اچھے اخلاق و کردار پیدا کرنا، سائنس اور ٹیکنالوجی کی معلومات پہنچانا، ہمارے سیاسی و سماجی ہیروز کو بچوں تک پہنچانا اور ماحولیات کے تحفظ کے لیے تیار کرنا ہے۔

اقبال نیازی کی یہ کتاب بچوں کے 100 اسٹیج ڈرامے ادب اطفال میں کسی اضافے اور کارنامے سے کم نہیں لیکن ضروری ہے کہ ہمارے تعلیمی ادارے، اردو اکادمیاں اور ملکی سطح پر کام کرنے والے سماجی، فلاحی ادارے ان ڈراموں کو اسٹیج کر کے بچوں تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ اگر ایسا ہوا تو سونے پر سہاگے والی بات ہوگی اور مرتب کا مقصد بھی پورا ہوگا۔

■

**Prof. Aslam Jamshedpuri**
HOD, Urdu
CCS University
Meerut - 250001 (UP)
Mob.: 9456259850

محمد شمس الحق



# سمندری مچھلیاں

آج کے دور میں سائنس کی بڑی اہمیت ہے۔ سائنس ہماری زندگی کا ایک لازمی حصہ بن چکی ہے۔ سائنس کے بغیر زندگی کی ترقی ممکن ہی نہیں۔ سائنس کے جدید ترین ایجادات کی وجہ سے ہمیں بہت ساری آسائشیں اور سہولیات میسر ہیں۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن کا قول ہے کہ ”سائنس علم بڑھاتی ہے اور فائدہ مند ہے۔ سچائی کی تلاش اور اس کے حصول کے لیے باقاعدہ لگن کی ضرورت ہے۔ سائنس ایک طرح کی لگن ہے۔ ریاضت ہے۔“

اردو میں بھی سائنسی موضوعات پر مضامین کا سلسلہ برسوں سے جاری ہے۔ مختلف رسائل و جرائد میں سائنسی مضامین کی اشاعت کا مقصد لوگوں میں سائنسی ذوق وشوق پیدا کرنا ہے۔

محمد شمس الحق بھی اردو میں سائنسی مضامین لکھتے رہے ہیں۔ 'آؤ سمندروں کی سیر کریں' ان کی ایک اہم کتاب ہے جس میں انھوں نے سمندروں کی پراسرار دنیا سے لوگوں کو واقف کرانے کی کوشش کی ہے۔ ان کے بقول ”سمندر کے شکم میں معدنیات اور غذائی اشیا کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے کہ جس پر پوری دنیا کے انسان ہزاروں برسوں تک گزر بسر کرسکتے ہیں۔“ 'آؤ سمندروں کی سیر کریں' (مطبوعہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان 2008) ان کی ایک اہم کتاب ہے جس میں انھوں نے کرۂ آب، زیرآب پہاڑیاں، آئس برگ، سمندر کے خزانے، سمندر میں نمک، سمندر اور آب و ہوا، بحری راستے، بحرالکاہل کے جزیرے، سمندر کے یہ باسی، سمندر اور تفریح اور دیگر موضوعات پر بہت ہی اہم معلومات فراہم کی ہیں۔

ڈولفن ایک پستان والا (دودھ پلانے والا) جاندار ہے جو سمندر میں پایا جاتا ہے۔ ڈولفن دماغی اعتبار سے بہت زیادہ ترقی یافتہ ہوتے ہیں۔ عام طور سے سائنس داں ایسا خیال کرتے ہیں کہ انسان کے بعد ڈولفن ہی کا دماغ تیز ہوتا ہے۔ اپنی ذہانت کی وجہ سے وہ انسانوں سے بہت جلد گھل مل جاتا ہے۔ ڈولفن انسان کو اس کے کاموں میں اسی طرح مدد کرسکتے ہیں جیسے کتے یا گھوڑے۔

عام طور سے ہم لوگ ڈولفن کو مچھلی سمجھتے ہیں، لیکن ڈولفن نسلی اعتبار سے مچھلیوں سے مختلف ہے۔ مچھلیوں کے گلپھڑے (Gills) ہوتے ہیں، اور ڈولفن کے پھیپھڑے (Lungs) ہوتے ہیں۔ ڈولفن کو سانس لینے کے لیے بار بار پانی سے باہر آنا پڑتا ہے کیونکہ وہ پانی میں کھلی آکسیجن کو نہیں لے سکتا ہے۔

ایک بالغ ڈولفن کی لمبائی عام طور سے 2 سے 2٫5 میٹر تک ہوتی ہے، لیکن سمندروں میں 4 میٹر سے بھی لمبے ڈولفن پائے گئے ہیں۔ مادہ (Female) ڈولفن، نر سے زیادہ لمبی ہوتی ہے۔

ڈولفن بہت جلد مانوس ہوجاتے ہیں۔ اپنی خاص افتادِ طبع کی وجہ سے ڈولفن بچوں کے ساتھ کھیلنا سیکھ جاتے ہیں۔ ان کو طرح طرح کے کرتب سکھائے جاسکتے ہیں۔ اکثر سرکس والوں نے ان کو خوب تربیت دی ہے۔

ڈولفن بہت اچھے تیراک ہوتے ہیں۔ یہ 40 سے 50 کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے بھی تیر سکتے ہیں، لیکن اس قدر تیزی کے باوجود پانی میں کسی قسم کی حرکت نہیں ہوتی۔ اکثر ڈوبتے آدمیوں کو ڈولفن نے بچالیا ہے۔

جہاز پر کام کرنے والے کچھ سائنس دانوں نے ایک ڈولفن کو اس طرح سدھا لیا تھا کہ وہ سمندری ساحل پر کھڑے جہاز اور سمندر کی تہہ (Deeps) میں کام کرنے والے سائنس دانوں کے درمیان چھوٹے موٹے سامان اور پیغامات کو اِدھر سے اُدھر کرسکتا ہے۔

ڈولفن کے سننے کی طاقت بھی خوب ہوتی ہے۔ سمتوں کا اندازہ لگانے میں تو شاید ہی کوئی جاندار اس کا مقابلہ کر سکے۔ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر سمندر میں چھوڑ دیجیے۔ آواز سنتے ہی وہ تیر کی طرح، سیدھا آپ کے پاس آئے گا۔ کیا مجال جو ذرا سا اِدھر یا اُدھر جائے۔

شارک کو سمندری شیر (Tiger of the Sea) کہنا بالکل درست ہے کیونکہ یہ تمام سمندری جانداروں میں مضبوط ترین اور خوفناک ترین (Flercest) ہے۔ شارک میں عام مچھلیوں کی طرح ہڈیاں نہیں ہوتیں، بلکہ ان کی جگہ کرکری (Cartilage) ہوتی ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ شارک کے پورے جسم پر باریک کانٹے ہوتے ہیں، جو اگر کھڑے ہوجائیں تو جلد (Skin) بالکل سریس کاغذ (Sandpaper) کی طرح ہوجاتی ہے۔

شارک کی نسل کی چند مچھلیاں، جیسے 'ڈاگ فش' صرف دو فٹ لمبی ہوتی ہے۔ جب کہ دوسری شارک مچھلیاں 40-40 فٹ، اور کبھی اس سے بھی زیادہ یعنی 60 فٹ تک لمبی ہوسکتی ہیں۔ شارک مچھلیاں ٹھنڈے پانی سے زیادہ گرم پانی میں پائی جاتی ہیں اور ان میں بعض منطقۂ حارّہ (Tropies) ہی تک محدود رہتی ہیں۔

زیادہ تر شارک کم ہی گہرائی میں اپنا شکار پکڑتی ہیں اور بڑی تیز رفتاری سے تیرتی ہیں۔ شارک کا منھ (Mouth) اس کے سر کے نیچے ہوتا ہے۔ منھ میں عام طور سے دو قسم کے دانت ہوتے ہیں— ایک لمبے لمبے نکیلے اور پتلے، جو ایک دوسرے سے دور دور ہوتے ہیں— اور دوسرے قسم کے دانت جبڑوں کے کنارے مسلسل یہاں سے وہاں تک پھیلے ہوتے ہیں۔ شارک عام طور سے 'شیش فش' کا شکار کرتی ہیں، اور یہی ان کی خاص غذا ہے۔ شارک کی بعض قسموں میں آدم خور (Man-Eater) بھی ہیں۔

'فاکس شارک' کی لمبی دم ہوتی ہے جس کو وہ اِدھر اُدھر گھما سکتی ہے۔ امریکہ، آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ کے ساحلوں سے دور سمندر میں شارک انسانوں پر حملہ آور ہوتی ہیں۔ انسان پر حملہ آور ہونے والی شارک سب سے زیادہ خطرناک اور مضبوط ہوتی ہے، 'وہائٹ شارک' جو بہت لمبی بھی ہوتی ہے، تقریباً 60 فٹ تک لمبی ہوتی ہے جزائر برطانیہ کے قریب ایسی بہت خطرناک شارک 'بلوشارک' ہوتی ہے۔ یہ 25 فٹ تک لمبی ہوتی ہے۔ دھوپ کا غسل کرنے والی 'شارک' عام شارک کی طرح مچھلیوں کا یا دوسرے جانداروں کا شکار نہیں کرتیں۔ یہ سمندری پودوں (Plankton) کو کھاتی ہیں۔

'وہیل شارک' سب سے بڑی ہوتی ہے، جو عام طور سے 50 فٹ لمبی ہوتی ہے۔ یہ بھی پلینکٹن کھاتی ہے۔

دھوپ کا غسل کرنے والی شارک اسکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ کے قریب ملتی ہے۔ شارک کی بعض نسل زندہ بچوں کو جنم دیتی ہے۔ ایک مرتبہ میں وہ ایسے بہت سارے بچوں کو جنم دیتی ہے اور دوسری شارک مچھلیاں— خاص طور سے 'ڈاگ فش' انڈے دیتی ہیں۔ شارک اور 'ڈاگ فش' مندرجہ ذیل نسلوں سے ہوتی ہیں: اسموتھ ہاؤنڈ، گرین لینڈ شارک، ٹوپے، وہائٹ شارک، پوربیگل، نرس ہاؤنڈ، لمبائی میں یہ مچھلیاں 6-5 فٹ سے لے کر 20 فٹ تک ہوتی ہیں۔ ان قسموں میں سے 'ٹوپ' 'ڈاگ فش' ہوتی ہیں۔

■

**ماخذ:** آؤ سمندروں کی سیر کریں
**مصنف:** محمد شمس الحق، **دوسری طباعت:** 2008
**ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

جاوید احمد سعید کامٹوی



# فاسٹ فوڈ (Fast Food)

(دوسری قسط)

**نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ** (NIH) کا کہنا ہے کہ ہفتے میں دو سے زائد بار فاسٹ فوٹ کھانے سے وزن بڑھتا ہے۔ فاسٹ فوڈ سے جسم کو ضرورت سے زیادہ توانائی ملتی ہے جو چربی کی شکل میں جسم میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ یہ چربی کولھوں کے اطراف، پیٹ کے اطراف جمع ہوتی ہے اور جسمانی محنت کی کمی کی بدولت اس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ فاسٹ فوڈ سے ضرورت سے زیادہ حرارے جسم کو ملتے ہیں جو توانائی میں تبدیل نہیں ہو پاتے۔ یہی موٹاپے کا سبب بنتے ہیں۔ اسی لیے یہ وزن میں حصول کا سبب بنتے ہیں۔ اس پر مستزاد کولڈ ڈرنکس مزید حرارے پیدا کرتے ہیں جو جسم کے ذریعے جلائے نہیں جاتے کیونکہ جسمانی محنت اور ورزش کا کوئی عمل دخل نہیں۔ اس کے لیے چہل قدمی یا جسمانی محنت ضروری ہے جو ہو نہیں پاتی اس لیے وزن بڑھتا ہے۔ فاسٹ فوڈ کی اسکول اور کالج کے آس پاس دکانیں بھی اس کے استعمال کو بڑھاوا دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بار منہ لگنے کے بعد انھیں یہی کہنا پڑتا ہے۔

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

ان کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ انسانی صحت کو براہ راست متاثر کرتی ہے۔ اس کے مسلسل استعمال سے پیٹ، عمل انہضام خصوصی طور پر متاثر ہوتا ہے۔ معدہ اور انہضام سے ساری بیماریاں جڑی ہوئی ہیں اس لیے جسم میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان سے موٹاپا، امراض قلب اور دوسری شکایات پیدا ہوتی ہیں۔ بچوں کے لیے تو خاص طور پر یہ کسی زہر سے کم نہیں۔ ان کے نازک جسم ان بے قاعدگیوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ٹی وی دیکھتے ہوئے بچوں کا (اور

بڑوں کا بھی) منہ یکساں چلتا رہتا ہے۔ سارا دھیان ٹی وی کی طرف ہوتا ہے اس لیے ایک کے بعد ایک پیکٹ ختم ہوتا چلا جاتا ہے مگر 'جگالی' کا سلسلہ بند ہونے میں نہیں آتا۔ ایسے بچے کاؤچ پوٹاٹو کے نام سے نوازے جاتے ہیں اور یہ بہت جلد موٹے ہوجاتے ہیں اور موٹاپا کئی بیماریوں کو دعوت دینے والا ہوتا ہے۔ ایسے بچے سست، کاہل اور کام چور ہوجاتے ہیں۔ وہ ضدی بھی ہوجاتے ہیں۔ ان میں چڑچڑاپن پیدا ہوجاتا ہے اور من پسند پاکٹ نہ ملنے کی صورت میں ان میں جھنجھلاہٹ پیدا ہوجاتی ہے۔ وہ جسمانی محنت سے بھی گھبراتے ہیں۔ اس طرح زندگی کی کشش سے دور ہوجاتے ہیں۔ پڑھائی لکھائی میں بھی ان کا دل نہیں لگتا اور اگر جسم کی مدافعت نے جواب دے دیا تو کئی بیماریوں کو گلے لگا بیٹھتے ہیں۔

سنٹر فار سائنس اینڈ انوائرنمنٹ (CFE) کے ذریعے کروائے گئے ایک مطالعے کے مطابق میگی نوڈلس کے ایک پیکٹ میں 3 گرام نمک ہوتا ہے جبکہ ایک توانا شخص کو یومیہ زیادہ سے زیادہ چھ گرام نمک کافی ہوتا ہے۔ یہ زیادتی نقصان کا سبب بنتی ہے۔ اسی طرح شکر بھی جسم کو نقصان پہنچاتی ہے۔ اسی مطالعے میں یہ بات سامنے آئی کہ کسی خوردنی شے میں ٹرانس فیٹ کی مقدار 0.2gm ہونی چاہیے مگر نوڈلس میں اس کی مقدار 0.6gm اور ہلدی رام بھجیا میں 2.5gm ہوتی ہے۔ سوچیے ایک دن میں کئی پیکٹ چٹ کرنے والے شخص کے جسم میں ٹرانس فیٹ کی کتنی مقدار پہنچتی ہوگی!! فوڈ سیفٹی اینڈ اسٹینڈرڈ ایکٹ کے مطابق 0.2gm ٹرانس فیٹ کو قابل اعتنا سمجھا جاتا ہے۔ اس سے زائد مقدار جسم کو نقصان پہنچاتی ہے۔ تیار کرنے والی کمپنیوں کی چالاکی دیکھیے کہ وہ ان اجزا کی مقدار کو قابل معافی حدود کے اندر بتلاتی ہیں اور یہ اعداد پیکٹوں پر لکھتی ہیں جو کہ سراسر غلط ہے۔ ان کے خلاف فوڈ سیفٹی اینڈ اسٹینڈرڈ ایکٹ کے تحت کارروائی کی جاسکتی ہے مگر عملاً ایسا نہیں ہوتا اور صارفوں کی صحت خطرے میں رہتی ہے۔

سنٹر فار سائنس اینڈ انوائرنمنٹ کے مطابق شکر اور نمک کی مقدار بڑھنے سے موٹاپا بڑھ جاتا ہے۔ خون سے متعلق شکایات پیدا ہوتی ہیں۔ KFC کا فرائڈ چکن، نیسلے کا میگی، ریمن کا نوڈلس، میک ڈونالڈ یا ہلدی رام کی پیکٹ بند اشیا میں یہ اجزا طے شدہ مقدار سے زیادہ ہوتے ہیں اس لیے جسم کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ جنک فوڈ کے باسی پن کو تیز بو، خوشبو یا نمک کی زیادتی سے زائل کیا جاتا ہے پھر اس میں پہلے سے موجود محافظ غذا (پری زرویٹیوز Preservatives) موجود ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود لوگ پیسے خرچ کرکے بڑے شوق سے کھاتے ہیں اور اس طرح مصیبت مول لیتے ہیں۔ یہ عادت جتنی پرانی ہوجائے اس سے نکلنا اتنا ہی مشکل ہوجاتا ہے۔ ان چیزوں کا نشہ طلب بن کر سوار ہوجاتا ہے اور نہ ملنے کی صورت میں بے چینی میں اضافہ ہوتا ہے۔ بچے تو اپنی من پسند اشیا کو خریدنے کے لیے یا تو ضد کرتے ہیں یا پھر چھوٹی موٹی چوری یا ہیرا پھیری کرتے ہیں۔ اس طرح ایک بری عادت سے دوسری بری عادت پیدا ہوجاتی ہے۔

فاسٹ فوڈ تیار کرنے والی کمپنیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ فوڈ کے قوانین کا احترام کرتے ہوئے ان اجزا کی مقدار کو حد میں رکھتے ہیں مگر صورت حال مختلف ہے۔ ایک این جی او نے 16 قسم کے فاسٹ فوڈ کے تجزیے سے یہ معلوم کیا کہ ان میں شکر، نمک اور ٹرانس فیٹ کی مقدار کہیں زیادہ تھی۔ سنٹر فار سائنس اینڈ انوائرمنٹ کے تجزیے میں بھی یہ بات سامنے آئی مگر ان اشیا کو تیار کرنے والی کمپنیوں نے اس الزام کو مسترد کردیا۔ پچھلے دنوں ایک عجیب خبر نظر سے گزری۔ دنیا کی مشہور کمپنی میک ڈونالڈ نے اپنے ملازمین کو

بڑوں کا بھی) منہ یکساں چلتا رہتا ہے۔ سارا دھیان ٹی وی کی طرف ہوتا ہے اس لیے ایک کے بعد ایک پیکٹ ختم ہوتا چلا جاتا ہے مگر 'جگالی' کا سلسلہ بند ہونے میں نہیں آتا۔ ایسے بچے کاؤچ پوٹاٹو کے نام سے نوازے جاتے ہیں اور یہ بہت جلد موٹے ہوجاتے ہیں اور موٹاپا کئی بیماریوں کو دعوت دینے والا ہوتا ہے۔ ایسے بچے سست، کاہل اور کام چور ہوجاتے ہیں۔ وہ ضدی بھی ہوجاتے ہیں۔ ان میں چڑچڑاپن پیدا ہوجاتا ہے اور من پسند پاکٹ نہ ملنے کی صورت میں ان میں جھنجھلاہٹ پیدا ہوجاتی ہے۔ وہ جسمانی محنت سے بھی گھبراتے ہیں۔ اس طرح زندگی کی کشش سے دور ہوجاتے ہیں۔ پڑھائی لکھائی میں بھی ان کا دل نہیں لگتا اور اگر جسم کی مدافعت نے جواب دے دیا تو کئی بیماریوں کو گلے لگا بیٹھتے ہیں۔

سنٹر فار سائنس اینڈ انوائرنمنٹ (CFE) کے ذریعے کروائے گئے ایک مطالعے کے مطابق میگی نوڈلس کے ایک پیکٹ میں 3 گرام نمک ہوتا ہے جبکہ ایک توانا شخص کو یومیہ زیادہ سے زیادہ چھ گرام نمک کافی ہوتا ہے۔ یہ زیادتی نقصان کا سبب بنتی ہے۔ اسی طرح شکر بھی جسم کو نقصان پہنچاتی ہے۔ اسی مطالعے میں یہ بات سامنے آئی کہ کسی خوردنی شے میں ٹرانس فیٹ کی مقدار 0.2gm ہونی چاہیے مگر نوڈلس میں اس کی مقدار 0.6gm اور ہلدی رام بھجیا میں 2.5gm ہوتی ہے۔ سوچیے ایک دن میں کئی پیکٹ چٹ کرنے والے شخص کے جسم میں ٹرانس فیٹ کی کتنی مقدار پہنچتی ہوگی!! فوڈ سیفٹی اینڈ اسٹینڈرڈ ایکٹ کے مطابق 0.2gm ٹرانس فیٹ کو قابل اعتنا سمجھا جاتا ہے۔ اس سے زائد مقدار جسم کو نقصان پہنچاتی ہے۔ تیار کرنے والی کمپنیوں کی چالاکی دیکھیے کہ وہ ان اجزا کی مقدار کو قابل معافی حدود کے اندر بتلاتی ہیں اور یہ اعداد پیکٹوں پر لکھتی ہیں جو کہ سراسر غلط ہے۔ ان کے خلاف فوڈ سیفٹی اینڈ اسٹینڈرڈ ایکٹ کے تحت کارروائی کی جاسکتی ہے مگر عملاً ایسا نہیں ہوتا اور صارفوں کی صحت خطرے میں رہتی ہے۔

سنٹر فار سائنس اینڈ انوائرنمنٹ کے مطابق شکر اور نمک کی مقدار بڑھنے سے موٹاپا بڑھ جاتا ہے۔ خون سے متعلق شکایات پیدا ہوتی ہیں۔ KFC کا فرائڈ چکن، نیسلے کا میگی، ریمن کا نوڈلس، میک ڈونالڈ یا ہلدی رام کی پیکٹ بند اشیا میں یہ اجزا طے شدہ مقدار سے زیادہ ہوتے ہیں اس لیے جسم کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ جنک فوڈ کے باسی پن کو تیز بو، خوشبو یا نمک کی زیادتی سے زائل کیا جاتا ہے پھر اس میں پہلے سے موجود محافظ غذا (پری زرویٹیوز Preservatives) موجود ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود لوگ پیسے خرچ کرکے بڑے شوق سے کھاتے ہیں اور اس طرح مصیبت مول لیتے ہیں۔ یہ عادت جتنی پرانی ہوجائے اس سے نکلنا اتنا ہی مشکل ہوجاتا ہے۔ ان چیزوں کا نشہ طلب بن کر سوار ہوجاتا ہے اور نہ ملنے کی صورت میں بے چینی میں اضافہ ہوتا ہے۔ بچے تو اپنی من پسند اشیا کو خریدنے کے لیے یا تو ضد کرتے ہیں یا پھر چھوٹی موٹی چوری یا ہیرا پھیری کرتے ہیں۔ اس طرح ایک بری عادت سے دوسری بری عادت پیدا ہوجاتی ہے۔

فاسٹ فوڈ تیار کرنے والی کمپنیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ فوڈ کے قوانین کا احترام کرتے ہوئے ان اجزا کی مقدار کو حد میں رکھتے ہیں مگر صورت حال مختلف ہے۔ ایک این جی او نے 16 قسم کے فاسٹ فوڈ کے تجزیے سے یہ معلوم کیا کہ ان میں شکر، نمک اور ٹرانس فیٹ کی مقدار کہیں زیادہ تھی۔ سنٹر فار سائنس اینڈ انوائرمنٹ کے تجزیے میں بھی یہ بات سامنے آئی مگر ان اشیا کو تیار کرنے والی کمپنیوں نے اس الزام کو مسترد کردیا۔ پچھلے دنوں ایک عجیب خبر نظر سے گزری۔ دنیا کی مشہور کمپنی میک ڈونالڈ نے اپنے ملازمین کو

**ڈبہ بند غذائیں** (Canned Food)

جدید طرزِ زندگی کی ایک پہچان ڈبہ بند یا محفوظ غذائیں ہیں۔ یہ بھی نئی نسل کو مرغوب ہیں۔ دوسرے لوگوں کی بھی پسند بن چکی ہیں۔ بڑے بڑے شاپ اور مال نے انھیں اور بڑھاوا دیا ہے اسے بھی سوشل اسٹیٹس کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے بھلے یہ صحت کے لیے کتنے نقصان دہ کیوں نہ ہوں!!

وہ کون سی ایسی چیز ہے جو مہر بند ڈبوں میں دستیاب نہ ہو۔ گوشت، مچھلی، چکن، مختلف قسم کی خوردنی اشیا بڑے بڑے اسٹورس میں بآسانی دستیاب ہوجاتی ہیں۔ یہ بھی ملازمت پیشہ افراد کی پہلی پسند ہے۔ یہاں بھی وہی آسانی مطلوب ہے۔ ان ڈبوں پر صرف انتہا تاریخ (ایکسپائری ڈیٹ) کو دیکھا جاتا ہے اور اس کی خرید کرلی جاتی ہے۔ آفس سے لوٹتے وقت جب میاں بیوی دونوں تھکے ہوئے ہوں ان کے لیے یہ ڈبے مناسب ہیں۔ بس منٹوں میں کھانا تیار ہوجاتا ہے۔ بڑے شہروں اور پڑھے لکھے طبقے میں یہ ٹرینڈ بڑھ رہا ہے۔

ڈبہ بند غذا اس لیے مقبول ہے کہ یہ بآسانی دستیاب ہوجاتی ہے۔ بس اپنی من پسند چیز کا شیلف سے انتخاب کرلیجیے انھیں فریج میں اسٹور کرنے کی سہولت ہوتی ہے ایک بار مال میں جاکر ضرورت کی چیزیں لائی جاتی ہیں اور انھیں فریج میں محفوظ کردیا جاتا ہے تاکہ وقت ضرورت کام آئیں۔ یہ سستی بھی ہوتی ہیں اور زیادہ دن تک خراب نہیں ہوتیں۔ نہ کچا سامان لانے کی جھنجھٹ اور نہ پکانے کی پریشانی۔ اس بات کی اگر خواہش بھی ہو تو فرصت کس کے پاس ہے! دفتر سے لوٹنے کے بعد بھی آفس کے کاموں سے پیچھا نہیں چھوٹتا۔ پھر نیٹ، موبائل سے کہاں فرصت کہ کھانے پکانے کے تکلفات میں پھنسیں۔ خاندان بھی بس چھوٹا سا ہوتا ہے اس لیے گھر میں کوئی بڑا بوڑھا ٹوکنے والا بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے آسانی کی خاطر ان غذاؤں کا استعمال بڑھ رہا ہے اور یہ عادت میں تبدیل ہورہا ہے۔

چونکہ گوشت کے پارچوں، چکن، مچھلی وغیرہ جلدی سڑ گل جانے والی چیزیں ہوتی ہیں اس لیے ان کے عرصۂ حیات کو بڑھانے کے لیے ان میں محافظ غذا (فوڈ پریزرویٹیو Food Preservatives) ڈال دیے جاتے ہیں۔ بعض میں مصنوعی رنگ ڈال کر خوشنما بنادیا جاتا ہے۔ ان غذاؤں کا ذائقہ ایسی ہی مصنوعی چیزوں سے خوشگوار ہوجاتا ہے۔ سیل بند ڈبوں میں عموماً درج ذیل اجزا زیادہ پائے جاتے ہیں۔

## سوڈیم

عام طور پر ڈبہ بند غذاؤں میں سوڈیم کی مقدار زیادہ ہوتی ہے تاکہ یہ زیادہ دنوں تک اچھی رہ سکے۔ سوڈیم جراثیم کش خاصیت بھی رکھتا ہے اسی لیے تو زخم کو صاف کرنے میں نمک کا پانی استعمال کیا جاتا ہے۔ سوڈیم کی موجودگی ذائقے میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔ ان میں نمک بھی وافر مقدار میں ملایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے یہ خون میں شامل ہوتا ہے اور اسے گاڑھا کردیتا ہے۔ اس سے خون کا دباؤ بڑھتا ہے اور دل کے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ فرکٹوز کارن شوگر کی مقدار بھی زیادہ ہوتی ہے۔ کارن سویٹ یا کارن سیرپ کے اضافی استعمال سے ذیابیطس میں اضافہ ہوسکتا ہے اور انفیکشن بھی ہوسکتا ہے۔

ڈبہ بند غذائیں اپنی سہولت اور آسان دستیابی کے باعث کافی پسند کی جاتی ہیں مگر ان کے مسلسل استعمال سے موٹاپا، امراض قلب ہونے کے ممکنات ہیں۔

■

**ماخذ:** ہمارا طرز زندگی اور بیماریاں
**مصنف:** ڈاکٹر جاوید احمد سعیدی کامٹوی، **سنہ اشاعت:** 2015
**ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

# حرف: معنی اور مفہوم

اردو الفاظ کے معانی، اصطلاحات، مرکبات، ضرب الامثال، تذکیر و تانیث، فنی اصطلاحات وغیرہ وغیرہ کے بارے میں معلومات کے حصول کا ایک ذریعہ لغات ہیں۔ اسی لیے لغات کی ہر زمانے میں بڑی اہمیت رہی ہے۔ اردو میں بہت سی لغات لکھی گئی ہیں جن سے لوگ استفادہ کرتے ہیں۔ ان میں فیروز اللغات، نور اللغات، مہذب اللغات، فرہنگ آصفیہ، جامع علمی اردو لغت، فرہنگ عامرہ، مختصر اردو لغات وغیرہ اہم ہیں۔ قومی اردو کونسل نے مولوی سید احمد دہلوی کی شہرہ آفاق لغت 'فرہنگ آصفیہ' تین جلدوں میں شائع کی ہے۔ اس لغت کی خوبی یہ ہے کہ اس میں الفاظ کے معانی کے ساتھ ساتھ اشعار کے ذریعے بھی وضاحت کی گئی ہے۔ بچوں اور بڑوں دونوں کے لیے یہ بہت مفید ہے۔

**حرف:** ع۔ اسم مذکر (1) لغوی معنی دھار، طرف، کنارہ، قلہ، پہاڑ کی چوٹی (2) اچھر، اکشر، کسی زبان کے وہ حروف جن سے الفاظ بنیں، حروف تہجی۔

آدمی میں آدمی تم کیوں نہ ہو باہم ملاپ
حرف کو دیکھو کہ یک ہم جنس سے مدغم ہوا (ناسخ)

(3) بات، سخن، کلمہ، شبد لفظ۔

زبان کٹ کے دانتوں سے مل گئی تعزیر
کبھی جو لب پہ مرے حرفِ آرزو آیا (وزیر)

(4) نقص، عیب، طنز (5) علم صرف: وہ کلمہ جس کے معنی دوسرے لفظ کے ملے بغیر سمجھ میں نہ آئیں، چنانچہ اس کی بہ تفصیل ذیل قسمیں ہیں:

**حرف اختصاص:** جو خصوصیت پیدا کرنے کے واسطے آئے۔

**حرف استثنا:** جو اپنے مستثنیٰ منہ کو خاص یا جدا کر دے۔

**حرف استدراک:** جو پہلے جملے کے شبہ کو دور کرے۔

**حرف اضافت:** جو ایک اسم کا دوسرے اسم کے ساتھ لگاؤ بتائے۔

**حرف تردید:** جو ایک بات کو رد کر کے اس کی بجائے دوسری بات لائے۔

**حرف تشبیہ:** جو مشابہت اور نظیر کے واسطے آئے۔

**حرف تنبیہ:** جو تاکید کے واسطے آئے۔

**حرف جر:** جو اسم کو فعل یا مشابہ فعل سے ربط دے۔

**حرف جزا:** جو حرف شرط کے جواب میں جزا سے پہلے آئے۔

**حرف جواب:** جو استفہام کے جواب میں آئے۔

**حرف شرط:** جو کسی بات کی شرط کے واسطے آئے۔

**حرف عطف:** یا وصل جو اپنے ماقبل کو مابعد سے بلائے۔

**حرف ندا:** جو بلانے یا پکارنے کا کام دے۔

**حرف نفی:** جو انکار کے واسطے آئے۔

**حرف اٹھانا:** فعل متعدی (1) حرف کھرچنا، حرف کو اس طرح چھیلنا کہ نشان باقی نہ رہے۔ حرف کو الگ چوس لینا (2) پڑھنا پڑھنے میں آنا، شناخت ہونا جیسے اس سے تو کتاب کا حرف بھی نہیں اٹھتا، اب وہ حرف اٹھانے لگا۔

**حرف اٹھنا:** ا۔ فعل لازم (1) حرف دور ہونا، اس طرح پر حرف

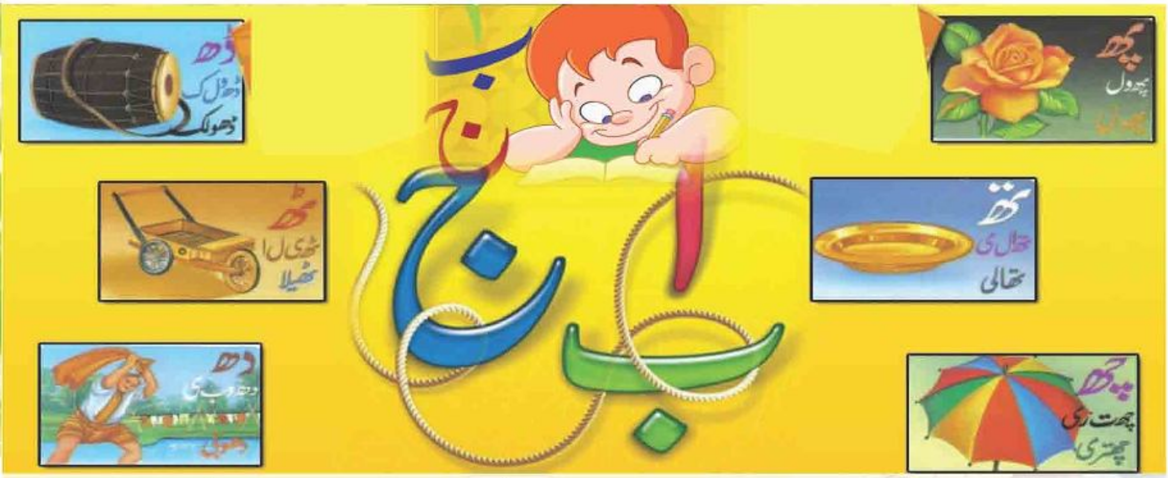


کا الگ ہونا کہ کاغذ پر نشان نہ رہے۔

ہر داغِ معاصی مرا اس دامن تر سے
جوں حرف سرِ کاغذِ نم اٹھ نہیں سکتا (ذوق)

(2) پڑھا جانا، پڑھنے میں آنا، شناخت میں آنا۔

**حرف آنا:** ا۔ فعل لازم (1) کچھ لکھنا پڑھنا آنا، حرف شناسی ہونا، حرفوں کا معلوم ہونا (2) الزام آنا، عیب لگنا، داغ لگنا۔

وضع پر حرف نہ آنے دیا وحشت میں بھی
لفظ و معنی کی طرح میں کبھی عریاں نہ ہوا (بحر)

**حرف بحرف:** ع۔ تابع فعل، حرفاً حرفاً، بالاستیعاب، لفظ بہ لفظ، ایک ایک حرف جیسے حرف بہ حرف پڑھنا۔

**حرف بنانا:** ا۔ فعل متعدی (1) حرفوں کو درست کرنا، حرف کو باقاعدہ بنانا، خط درست کرنا، نستعلیق لکھنا، چھاپہ کے پتھر پر حرف درست کرنا (3) حرف کھدنا (4) جعل کرنا، خط میں ملانا، دستاویز کے اصل حرف اڑا کر دوسرا حرف چسپاں کرنا۔

**حرف پکڑنا:** ا۔ فعل متعدی، غلطی پکڑنا، ٹوکنا، اعتراض کرنا، زبان پکڑنا، حرف گیری کرنا، مزاحم ہونا، عیب پکڑنا، نکتہ چینی کرنا۔

**حرف پہچاننا:** ا۔ فعل متعدی، حرف شناسی، بہم پہنچانا، الف بے تے کو ذہن نشین کرنا۔

**حرف شناس:** ع۔ف۔ اسم مذکر، ابجد خوان۔

**حرف گیری:** ع۔ف۔ اسم مونث، عیب گیری، نکتہ چینی۔

**حرف لانا:** ا۔ فعل متعدی، عیب رکھنا، نقص نکالنا، الزام دھرنا، کلنک لگانا۔

**حرف نہ اٹھ سکنا:** ا۔ فعل لازم، پڑھا نہ جانا، پڑھنے میں نہ آنا، پڑھ نہ سکنا۔

ناتوانی کا مرے مضموں کم از عنقا نہیں
گر کوئی پڑھنے کو بیٹھے حرف اٹھ سکتا نہیں (نگہت)

**حرفت:** ع۔ اسم مونث (1) کسب، پیشہ، کاریگری، حرفہ، دستکاری (2) ہنر، گن، علم (2۔عو) چالاکی، عیاری، مکاری، ہتھکنڈا۔

**حرفت باز:** صفت، عو، چالاک، عیارہ، مکارہ۔

تو دوا ایک ہے اللہ ری او حرفت باز
قادری مانگی تھی تو دوڑ کے لائی پشواز (رنگین)

**حرفہ:** ع۔ اسم مذکر، پیشہ، کسب، ہنر، دستکاری، کاریگری، صنعت۔

■

**ماخذ:** فرہنگ آصفیہ (جلد اوّل)
**مولفہ:** خان صاحب مولوی سید احمد دہلوی
**پانچویں طباعت:** 2016
**ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

# چمن چمن کے پھول

شاعری میں بڑی طاقت ہے۔ اس سے تحریر وتقریر میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، خطاب میں زور اور تحریر میں قوت پیدا کرنے کے لیے اشعار کا استعمال بہت کارگر ہوتا ہے۔ پرانے زمانے کے لوگوں کو استاد شعرا کے ہزاروں اشعار یاد ہوا کرتے تھے اور وہ موقع کی مناسبت سے ان اشعار کا استعمال بھی کیا کرتے تھے۔

'چمن چمن کے پھول' میں مختلف رنگ اور شاعروں کے شعر اس لیے دیے جاتے ہیں تاکہ بچے موضوع کی مناسبت سے اچھے اشعار یاد کریں اور اپنی تحریر وتقریر میں اشعار کا موزوں اور برمحل استعمال کرسکیں۔ (ادارہ)

دور تک چھائے تھے بادل اور کہیں سایہ نہ تھا
اس طرح برسات کا موسم کبھی آیا نہ تھا

—قتیل شفائی

میں چپ کراتا ہوں ہر شب اُمڈتی بارش کو
مگر یہ روز گئی بات چھیڑ دیتی ہے

—گلزار

کچی دیواروں کو پانی کی لہر کاٹ گئی
پہلی بارش ہی نے برسات کی ڈھایا ہے مجھے

—زبیر رضوی

کچے مکان جتنے تھے بارش میں بہہ گئے
ورنہ جو میرا دکھ تھا وہ دکھ عمر بھر کا تھا

—اختر ہوشیارپوری

کبھی برسات میں شاداب بیلیں سوکھ جاتی ہیں
ہرے پیڑوں کے گرنے کا کوئی موسم نہیں ہوتا
بہت سے لوگ دل کو اس طرح محفوظ رکھتے ہیں
کوئی بارش ہو یہ کاغذ ذرا بھی نم نہیں ہوتا

—امجد اسلام امجد

تمام رات نہایا تھا شہر بارش میں
وہ رنگ اتر ہی گئے جو اترنے والے تھے

—جمال احسانی

کیوں مانگ رہے ہو کسی بارش کی دعائیں
تم اپنے شکستہ در و دیوار تو دیکھو

—جاذب قریشی

برسات تھم چکی ہے مگر ہر شجر کے پاس
اتنا تو ہے کہ آپ کا دامن بھگو سکے

—احسن یوسف زئی

دفتر سے مل نہیں رہی چھٹی وگرنہ میں
بارش کی ایک بوند نہ بیکار جانے دوں

—اظہر فراغ

بھیگی مٹی کی مہک پیاس بڑھا دیتی ہے
درد برسات کی بوندوں میں بسا کرتا ہے

—مرغوب علی

بادل کو کیا خبر کہ بارش کی چاہ میں
کتنے بلند و بالا شجر خاک ہوگئے

نامعلوم شاعر

مہک انجم داؤد خان، درجہ ہفتم
ضلع پریشد اردو اسکول، نیم گاؤں، بلڈانہ، مہاراشٹر

وانیہ شیخ، درجہ دہم، سینٹ میرس اسکول، نگینہ، اتر پردیش

نبیلہ پروین افروز خان، درجہ ششم
ضلع پریشد اردو اسکول، نیم گاؤں، بلڈانہ، مہاراشٹر

سید محتسب خضر قادری، درجہ ہفتم، برہانی نیشنل اردو پرائمری اسکول، اورنگ آباد، مہاراشٹر

خدیجہ 1، باسع پور، درجہ دوم، ہولی کراس، کنونٹ اسکول، بیڑ (مہاراشٹر)

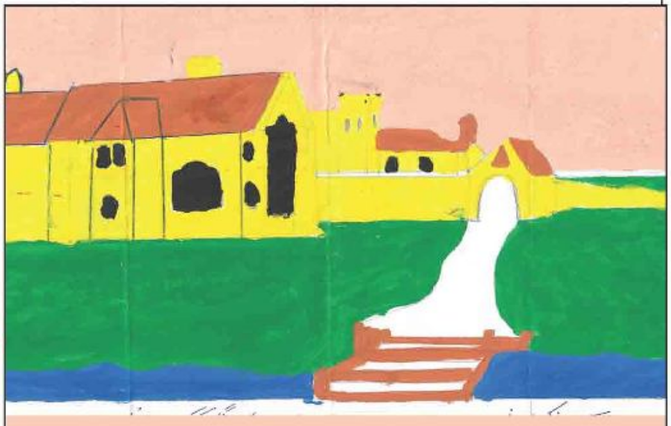

سید ذکوان نور ابن سید زاہد الرحمٰن، دریاپور، سونگڑہ، کٹک، اڈیشہ

لیزا فاطمہ محمد آصف، درجہ ششم، ضلع پریشد اردو اسکول، نیم گاؤں، تعلقہ ناندورہ، مہاراشٹر

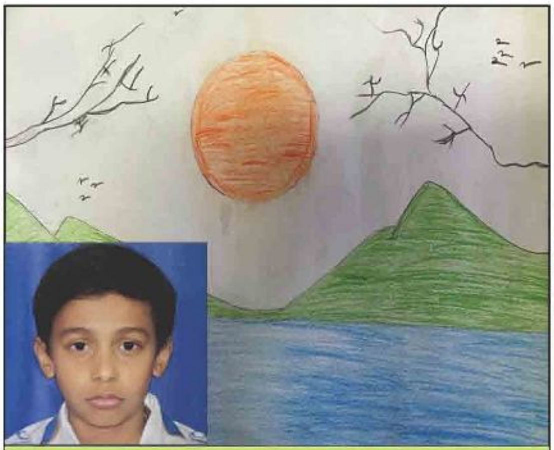

عبدالحنان، جوہری فارم، گلی نمبر 6، جامعہ نگر، نئی دہلی

حزیفہ بن محمد شاہد، درجہ چہارم، دی ٹاؤن اسکول، مالیرکوٹلہ، پنجاب

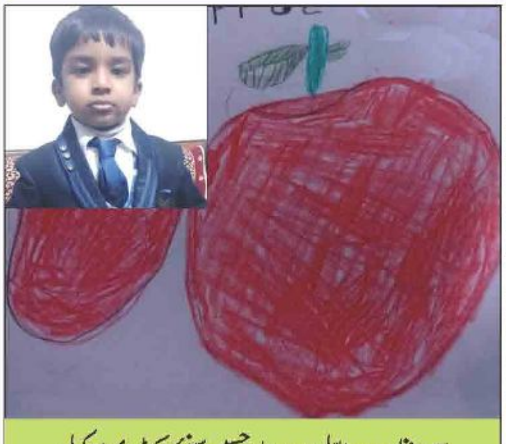

احمد منظر، درجہ اوّل، سید عابد حسین سینئر سیکنڈری اسکول
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

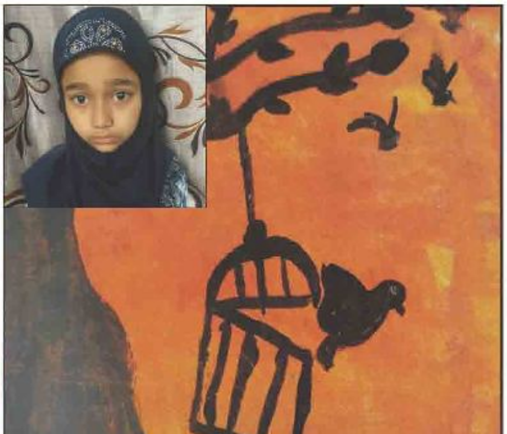

الماس خدیجہ، درجہ اوّل، الغزالی انٹرنیشنل اسکول، ارریا (بہار)

ظہور تحسین محمد ابراہیم مختار انقلابی، درجہ پنجم
ڈاکٹر پیر محمد رحمانی گرلس پری پرائمری و پرائمری اسکول، مالیگاؤں، مہاراشٹر

# مقابلۂ مضمون نگاری میں بچوں کو انعامات

**نئی دہلی:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان (نئی دہلی) کے زیر اہتمام سابق صدر جمہوریہ اے پی جے عبدالکلام کے یوم پیدائش 15 اکتوبر کی مناسبت سے اسکولی طلبہ و طالبات کے مابین مضمون نگاری کے قومی مسابقے کا انعقاد کیا گیا تھا، جس کے نتائج کے اعلان اور تقسیمِ انعامات کے لیے آج انڈیا انٹرنیشنل سینٹر، نئی دہلی میں خصوصی تقریب کا انعقاد کیا گیا، اس پروگرام کے مہمان خصوصی مسلم راشٹریہ منچ کے سرپرست اور آر ایس ایس لیڈر اندریش کمار تھے۔

تقریب تقسیم انعامات سے خطاب کرتے ہوئے اندریش کمار نے کہا کہ آج کا پروگرام سیاسی یا مذہبی نہیں ہے بلکہ سماجی اور تعلیمی ہے، جس کے لیے میں کونسل اور اس کے ڈائرکٹر پروفیسر عقیل احمد کو تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ انھوں نے اس مسابقے میں حصہ لینے اور کامیابی حاصل کرنے والے تمام طلبہ و طالبات کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر کلام کی شخصیت اور ان کی فکر پر بھی روشنی ڈالی اور کہا کہ ڈاکٹر کلام کی شناخت میزائل مین اور ملک کے صدر جمہوریہ کی ہے، مگر ساتھ ہی وہ تعلیم کے بہت بڑے پیامبر اور داعی تھے، کیونکہ تعلیم نے ہی انھیں ایک عام مچھلی پالنے والے خاندان سے اٹھا کر ملک کا صدر جمہوریہ بنایا تھا۔ انھوں نے کہا کہ اسلام اور انسانیت دونوں چیزیں ان کی زندگی کا اہم جز تھیں اور انھوں نے دونوں راہوں پر چل کر کامیابیاں حاصل کیں، کردار کی پختگی ان کی شخصیت کا اٹوٹ حصہ تھی اور اپنے کاموں سے انھوں نے اس کا مظاہرہ کیا۔ اندریش کمار نے کہا کہ کلام آج کی بڑی ضرورت ہیں اور ان کی فکر ہماری نئی نسل کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوسکتی ہے۔ ہندوستان کی تعمیر و ترقی، اس کی ہمہ گیر فلاح اور امن و امان کے قیام کے لیے اے پی جے عبدالکلام کی زندگی کو نمونہ بنانا ضروری ہے۔ ہندوستان اور ہندوستانیت عبدالکلام کی شخصیت کا بنیادی عنصر ہے اور یہی ہر ہندوستانی کی شخصیت کا حصہ ہونا چاہیے۔

اس سے قبل پروگرام کے شروع میں تعارفی خطاب کے

ابوعبیدہ خان (مئو)

علوی ذکیہ ثروت (نئی دھلی)

وافیہ شھزین (حیدرآباد)

نوشین عائشہ (کولکاتا)

عاتکہ فھیم (راجستھان)

عرفات رابعہ (جموں و کشمیر)

محمد ذاکر حسین (فیض آباد)

محمد یوسف کمال (مظفرپور)

دوران کونسل کے ڈائرکٹر پروفیسر شیخ عقیل احمد نے مختصراً اندریش کمار کا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ ہندوستانی سماج کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا کرنے اور خصوصاً مسلمانوں اور اسلام کے تعلق سے پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرنے میں اندریش جی کا اہم کردار ہے۔ انھوں نے کہا کہ مضمون نگاری کے اس مسابقے کا انعقاد انھی کے کہنے پر کیا گیا ہے اور اس کے لیے سابق صدر جمہوریہ اے پی جے عبدالکلام کی شخصیت کا انتخاب اس لیے کیا گیا کہ وہ اس ملک کے تمام طبقات کے لیے آئیڈیل ہیں۔ شیخ عقیل نے اے پی جے عبدالکلام کی ہمہ گیر شخصیت اور ملک کی تعمیر و ترقی کے تئیں ان کی فکر پر گفتگو کرتے ہوئے ان کی سائنسی و روحانی حیثیت کو بالخصوص آشکار کیا۔

مسابقۂ مضمون نگاری میں اول پوزیشن ابوعبیدہ خان بن حکیم عرفان خان (شاہ پور اندرا مئو، یوپی)، دوم پوزیشن علوی ذکیہ ثروت بنت افسر امام (ایس کے وی اسکول نور نگر، دہلی) اور سوم پوزیشن وافیہ شہزین بنت محمد تقی (ایم ایس کریٹیو ہائی اسکول، مہدی پٹنم، حیدرآباد) نے حاصل کی۔ ان تینوں طلبہ و طالبات کو مہمانِ خصوصی کے ہاتھوں بالترتیب دس ہزار، سات ہزار پانچ سو اور پانچ ہزار کے نقد انعام اور سندِ توصیفی سے نوازا گیا۔ ان کے علاوہ پانچ طلبہ و طالبات کو تشجیعی انعامات 1000 روپے اور توصیفی سند سے نوازا گیا، جن میں عاتکہ فہیم (کوٹہ، راجستھان)، نوشین عائشہ (کولکاتا، مغربی بنگال)، عرفات رابعہ (اسرار آباد، جموں و کشمیر)، محمد ذاکر حسین (فیض آباد، یوپی)، اور محمد یوسف کمال (مظفرپور، بہار) شامل تھے۔ تقریب کی نظامت کے فرائض ڈاکٹر وسیم راشد نے انجام دیے۔

آخر میں شیخ عقیل احمد نے کلمات تشکر پیش کیے اور کامیاب ہونے والے تمام طلبہ و طالبات کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ اپنی زندگی کو کارگر بنانے اور بلندیوں سے ہمکنار ہونے کے لیے آپ بھی انھی کی طرح سخت جدوجہد کی عادت ڈالیں اور ایسے اونچے خواب دیکھیں جو آپ کو سونے نہ دیں اور انھیں شرمندۂ تعبیر کر کے دم لیں۔ اس تقریب میں کونسل کے تمام اسٹاف اور منتخب اہلِ علم و دانش شریک رہے۔

پریس ریلیز، رابطۂ عامہ سیل، قومی اردو کونسل، 18 اپریل 2022

# قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

- رسالے میں بچوں کے ادیبوں کے تعارف اور تصویر کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کے ادیبوں کی ڈائرکٹری ترتیب دینے والوں کو مدد مل سکے۔
- معلومات عامہ، صحت، زبان شناسی، تاریخ، تہذیب، سائنس وٹیکنالوجی، جغرافیہ، آثار قدیمہ اور اہم شخصیات سے متعلق تخلیقات ترجیحی طور پر شائع کی جائیں گی۔
- 'مستقبل کے قلمکار' عنوان کے تحت بچوں کی تحریروں کو خاص طور پر شائع کیا جائے گا۔
- بچوں کے ادیبوں کے انٹرویوز اور رسائل کے مدیران پر ایک سیریز شروع کی جائے گی۔

**قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:**

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, जुलाई 2022, वर्ष 10, अंक 07
BACHON KI DUNIYA Monthly, June 2022 Vol. 10, Issue: 07
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2022-24
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/06/2022
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

## بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

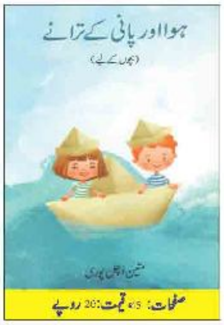

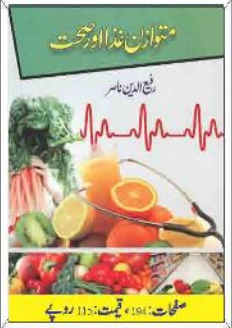

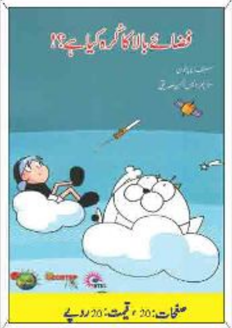

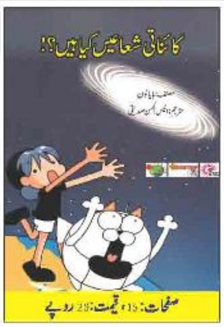

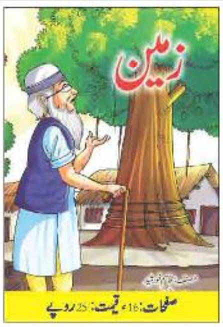

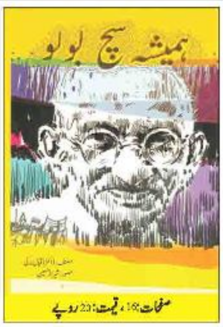


خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6